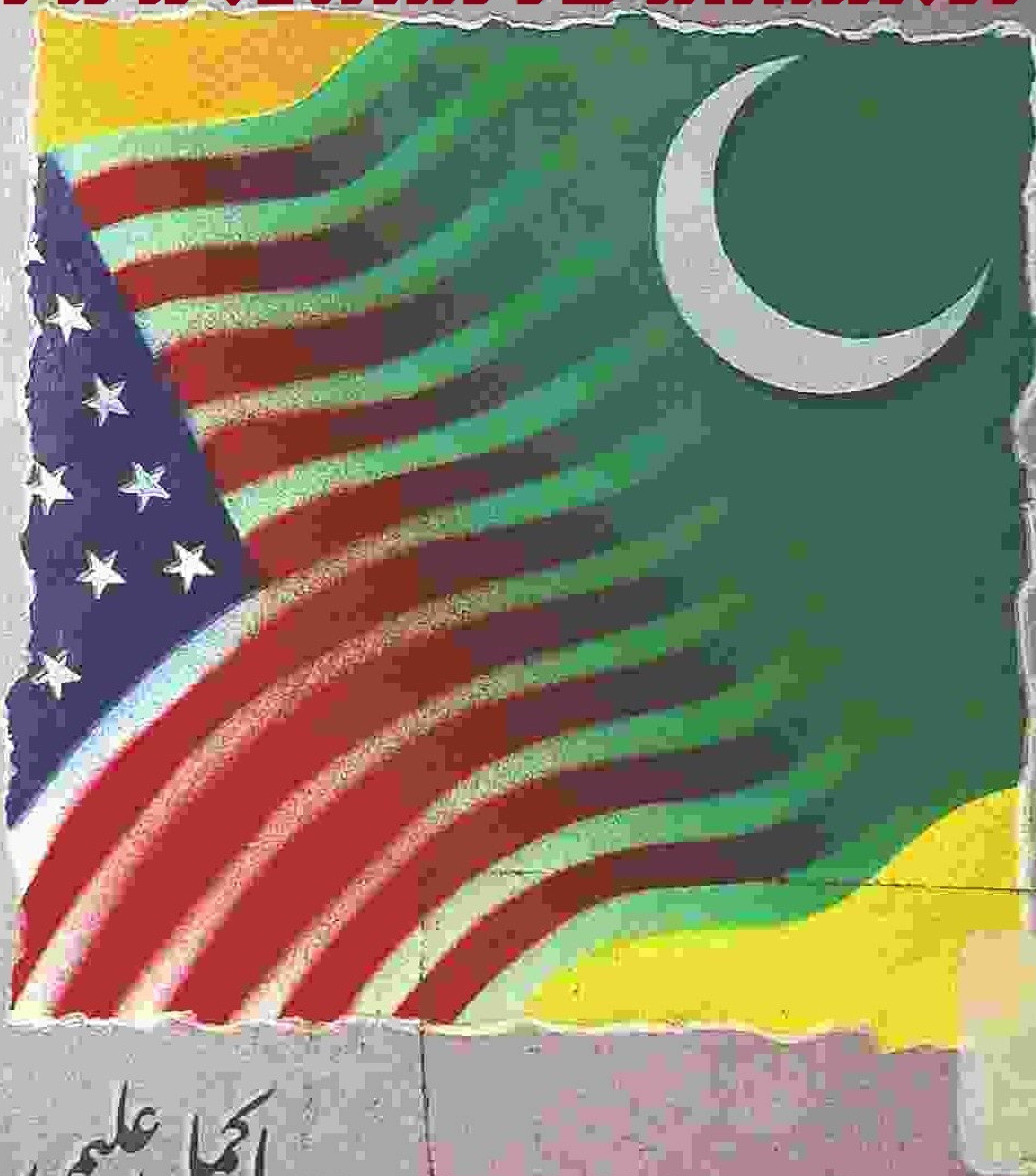
امریکہ میں

اسلام



اکمل علیمی

دیکھنا! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کئے جبکہ ہر فرقہ یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہم حق پر اور باقی سب باطل کے ساتھ ہیں۔

القرآن (23:53) اور (30-30-31)

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ
ہر عمر اور ہر ذوق کے قارئین کے لئے
خوبصورت اور معیاری مطبوعات

ناشر : میر شکیل الرحمٰن

اشاعت اول : مئی 1997ء
قیمت : 150 روپے
ایڈیٹر انچارج : مظفر محمد علی
سرورق : انیس یعقوب
پبلشرز : جنگ پبلشرز لاہور
(جنگ انٹرپرائزز پرائیویٹ لیمٹڈ کا ایک ذیلی ادارہ)
مطبع : جنگ پبلشرز پریس
13 سر آغا خان روڈ لاہور

نذر

خاتم النبیین شفیع المذنبین محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں جن کے حیات افروز اور انسانیت نواز پیغام کی روشنی بالآخر شمالی امریکہ آپہنچی اور اس نے رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر لاکھوں دلوں کو منور کیا۔ امریکہ میں اسلام کا ظہور اور چاند پر امریکیوں کا ورود بیسویں صدی کے دو بڑے واقعات ہیں۔

اکمل علیمی

الیگزینڈریہ، ورجینیا،

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

عنوانات

تعارف

اس کتاب کا دیباچہ سید غلام نبی فائی نے لکھا ہے۔ وہ ٹمپل یونیورسٹی' فلاڈلفیا' سے مواصلات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حامل ہیں اور ایک کشمیری امریکی ہیں۔ وہ 1985ء تا 1989ء مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ اب تک سولہ ملکوں سے تعلق رکھنے والے طلباء اس تنظیم کے سربراہ چنے گئے ہیں مگر منصب کی سب سے زیادہ مدت فائی کے حصہ میں آئی۔ ان سے پہلے وادی کشمیر میں بھارتی تشدد سے فرار ہونے والے ایک اور طالب علم سید محمد سعید جو 1995ء میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے جنرل سیکرٹری چنے گئے اس جماعت کے صدر رہے۔ ڈاکٹر فائی واشنگٹن میں کشمیری حریت پسندوں کے لئے لابی کرتے ہیں جو امریکہ میں ایک عظیم اور ضروری فن ہے۔ فائی صاحب کا شمار امریکہ کی مسلم کمیونٹی کے لیڈروں میں ہوتا ہے۔ وائٹ ہاؤس میں عید ملن پارٹی کی تصویر میں وہ حاضرین کے درمیان کھڑے نظر آتے ہیں۔

دیباچہ چونکہ انگریزی میں تحریر ہوا اس لئے من وعن کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

کتاب میں امریکی نام بکثرت ہیں۔ اردو رسم الخط میں غیر معروف ناموں کا تلفظ عام قاری کے لئے خاصا دشوار ہو گا اس لئے آخر میں ایسے ناموں کی ایک فہرست انگریزی حروف میں دے دی گئی ہے مساجد اور دوسری اسلامی انجمنوں کے اعداد و شمار دیئے گئے ہیں جن کی مکمل فہرست اسلامک ری سورس انسٹی ٹیوٹ (۱) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

20860

آبادی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اسلام کا ظہور دلچسپ اور نشو ونما ولولہ خیز ہے۔اس ملک کی آبادی چھبیس کروڑ سے زیادہ ہے اور اس میں مسلمانوں کی تعداد کے غیر سرکاری تخمینے ساٹھ لاکھ تک جاتے ہیں اس لحاظ سے مسلمان ایک چھوٹی سی اقلیت ہیں۔اس ملک کی مذہبی اقلیتوں پر نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہود بھی تقریباً اتنی ہی تھوڑی تعداد میں ہیں لیکن معاشرے میں ان کا اثر و نفوذ مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ یہود اپنی مذہبی اور ثقافتی اقدار کو برقرار رکھتے ہوئے اس معاشرے میں جذب ہو چکے ہیں جبکہ مسلمان معاشرے کے مرکزی دھارے کے کنارے پر کھڑے ہیں۔باور کیا جاتا ہے کہ اکیسویں صدی کے ربع اول میں جب اسلام امریکہ میں دو بڑے مسیحی مذاہب پراٹسٹنٹ (8 کروڑ) اور رومن کیتھولک (6 کروڑ) کے بعد سب سے بڑا دین ہوگا اور نو مسلم امریکیوں اور مسلم آبادکاروں کی اولاد جدید علوم وفنون سے مسلح ہو کر میدان عمل میں نکلے گی تو امریکی سیاست،معیشت اور ثقافت پر اسلام کے اثرات صاف دکھائی دیں گے۔

امریکہ کی مسلم آبادی کا سب سے بڑا ایک جز (42 فیصد) افریقی امریکیوں کا ہے یعنی ان لوگوں کا جن کے آباؤ اجداد افریقہ سے غلام بنا کر اس ملک میں لائے گئے تھے۔دوسرے نمبر پر برصغیر ہند و پاکستان سے آبائی تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔تیسرا بڑا مجموعہ عربوں کا ہے۔پانچ فیصد آزادانہ طور پر افریقہ سے نقل وطن کرنے والے ہیں۔اس کے بعد ایرانی ترک اور ہند چینی تارکین وطن کے گروپ ہیں۔سفید فام امریکی اس ملک کی مسلم آبادی کا ایک فیصد سے کچھ زیادہ ہیں۔

امریکہ میں مسلم آبادی کا فرقہ وارانہ تناسب کم و بیش وہی ہے جو آپ برصغیر میں دیکھتے ہیں۔یعنی تقریباً 80 فیصد اہل سنت والجماعت ہیں ایک فیصد شیعہ ہیں۔باقی 19 فیصد میں غالب اکثریت افریقی نسل کے وہ امریکی ہیں جو شمالی امریکہ میں اسلام کی پیغامبری کے دعویدار الائیجا محمد مرحوم کے پیروکار ہیں اور ان کے بعد مسلک کے اختلافات کے علی الرغم ارکان دین کو ماننے والے دوسرے مسلمانوں کے گروپ ہیں جن کی راہیں چار معروف فقہی مکاتب سے الگ سمجھی جاتی ہیں۔

امریکہ میں فقہی تنوع ایک ذاتی معاملہ ہے اور فرقہ وارانہ جماعتیں اپنے اپنے مسلک کی اصالت پر اصرار کرنے کے باوصف کھلے بندوں دوسرے فرقوں کے عقائد پر تنقید و تنقیص سے احتراز کرتی ہیں یوں بھی یہ آئین اور قانون کی سرزمین ہے جن کا اطلاق ملک کے تمام شہریوں' مکینوں اور ساکنوں پر یکساں اور بلا امتیاز ہوتا ہے۔ یہاں کسی مذہبی گروپ کا کوئی پرسنل لاء نہیں ہے۔ اس لئے نکاح و طلاق اور وراثت جیسے سوالات بھی امریکی قانون کے مطابق طے پاتے ہیں۔ عقائد کی بحث میں جانا اس مطالعے کا مقصود نہیں لیکن ان کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

اکثر علمائے حق اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اللہ نے اپنے بندوں کے ایمان کی جانچ پڑتال کا کام اپنے پاس رکھا ہے اور یوم حساب پر وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ کون احکامات خداوندی کا پیروکار تھا۔ ارکان دین بلاشبہ معین اور مبین ہیں اور ان کی تعمیل کے بغیر ہم سچے مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے لیکن شروع سے ہی دیکھا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے اپنے تاریخی' معاشرتی' اقتصادی اور ثقافتی حالات کو شعائر دین سے ہم آہنگ کرنے کے ایک طویل عمل سے گزرتے ہیں' افریقی نسل کے جن امریکیوں نے اسلام قبول کیا ان کی ایک جماعت یہ مسافت طے کر چکی ہے اور دوسری ابھی راہ میں ہے اسی لئے متین طبع امریکی مسلمان اس جماعت کو بے راہرو کہنے کی بجائے دعا کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنی منزل کو پالے۔ ہو سکتا ہے کہ امریکہ اور دنیا کے دوسرے خطوں میں حق پرست انسانوں کی کچھ اور جماعتیں بھی اس سفر میں ہوں۔ اللہ نے اپنے بندوں کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ مسلسل اپنی مخلوق کی راہنمائی کر رہا ہے۔ شاید اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے۔

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کُنْ فَیکُون

امریکہ میں مسلمانوں کی اٹھان ان سینکڑوں اداروں کی مرہون منت ہے جو اعلیٰ تعلیم کے لئے اس ملک میں آنے والے نوجوان طلباء اور نو مسلم امریکیوں نے قائم کئے۔ ان میں "مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن" اور "نیشن آف اسلام" کو اساسی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ "نیشن" کئی لحاظ سے شہری حقوق کی امریکی تحریک کے اولیں شاخسانوں میں سے ایک ہے۔ افریقی غلاموں کی اولاد کے ایک گروپ نے نجات کے لئے مسیحیت کا اور دوسرے نے اسلام کا سہارا لیا۔ امریکہ میں جامع مسجد کو عام طور پر اسلامک سنٹر کہا جاتا ہے کیونکہ امریکی مسلمانوں کی مسجد سجدہ گاہ ہی نہیں معاشرتی مرکز بھی ہے۔ اسلامک سنٹر میں نماز پنجگانہ' صلوٰۃ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے علاوہ عربی زبان اور دینیات کی کلاسیں ہوتی ہیں۔ مغرب میں آباد مسلمانوں کے مخصوص مسائل پر مذاکرے ہوتے ہیں۔ تقریباً ہر اسلامک سنٹر میں ایک بڑا باورچی خانہ اور اس کے ساتھ ایک ہال

ہے جسے معاشرتی مثلاً شادی بیاہ کے اجتماعات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سن 1995ء میں اسلامک سنٹروں کی تعداد 845 تھی۔ امریکہ میں بارہ جماعت تک تعلیم لازمی اور مفت ہے۔ بلدیات نے قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے اپنے سکول قائم کئے ہیں۔ سکول سے دور رہنے والے بچوں کو گھر سے لانے اور واپس پہنچانے کے لئے زرد رنگ کی بسوں کے بیڑے بنائے ہیں اور سکولوں میں طلباء اور اساتذہ کے لئے دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا ہے۔ جو طلباء لنچ خریدنے کی استعداد نہ رکھتے ہوں وہ بھی ایک نظام کے تحت کیفے ٹیریا سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ چونکہ امریکہ میں کلیسا اور ریاست آئین کی رو سے الگ تھلگ ہیں۔ اس لئے ان سرکاری سکولوں میں کسی بھی مذہب کی تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ جو والدین اپنے بچوں کی پرورش اپنے مذہب کے خطوط پر کرنا چاہتے ہیں وہ پرائیویٹ سکولوں کا رخ کرتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کے بھاری اخراجات پورے کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ پرائیویٹ سکول قائم کرنا اور انہیں مطلوبہ معیاروں کے مطابق چلانا نہایت گراں خرچ ہے پھر بھی امریکی مسلمان تقریباً 170 ہائی سکول قائم کر چکے ہیں جن میں مروجہ سیکولر نصاب تعلیم کے ساتھ دینیات کا درس بھی دیا جاتا ہے اور طلباء شعائر اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنا سیکھتے ہیں۔ پہلا اسلامیہ کالج شکاگو میں قائم ہوا ہے جسے اب تک آرٹس اور سائنس میں چند ڈگریاں جاری کرنے کا اختیار حاصل ہوا ہے۔ امریکی مسلمانوں کی انجمنوں اور تنظیموں کی تعداد 450 کے لگ بھگ ہے۔ رسائل و جرائد 90 سے اوپر ہیں۔

امریکی براعظموں کی دریافت کا سہرا عام طور پر اطالوی مہم جو کرسٹو فر کولمبس کے سر باندھا جاتا ہے جس نے 1492ء اور 1504ء کے درمیان چار بار بحر اوقیانوس کو پار کیا لیکن جس ملک کو آج ریاست ہائے متحدہ امریکہ کہا جاتا اس کی سرزمین پر اسے ایک دفعہ بھی قدم رکھنے کی توفیق نہ ہوئی جبکہ سلطنت مالی کے مسلمان بادشاہ ابوبکری کے ایماء پر افریقی مسلمان 1312ء میں دریائے مسی سپی کے راستے امریکہ میں داخل ہو کر اندرونی سرزمین کی چھان بین کر چکے تھے اور انہوں نے دیکھا تھا کہ امریکی براعظم سرخ گندمی رنگ کے لوگوں کی قدیم تہذیب کا گہوارہ۔ یورپیوں نے یہاں آکر انہیں "ریڈ انڈین" کہنا شروع کر دیا۔ 1530ء میں پہلی مرتبہ انسانوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا۔ ان کا تعلق مغربی افریقہ سے تھا۔ سوئے اتفاق سب سے پہلے ان لوگوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا جن کے آباؤ اجداد نے سب سے پہلے امریکہ دریافت کیا تھا۔ غلاموں کی تجارت کے گھناؤنے دور میں ایک کروڑ سے زیادہ افریقیوں کو ان کے گھربار سے اجاڑا گیا۔ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے خاندانوں سے بچھڑ گئے۔ ان کا دین ان سے چھین لیا گیا۔ ان سے حیوانوں کے کام لئے گئے اور انہیں دائرہ انسانیت سے خارج کر دیا گیا۔ ان میں تقریباً 30 فیصد مسلمان تھے۔ امریکی زراعت کی جس کا آج بڑا شہرہ ہے۔ بنیادیں سیاہ فام پُر خراش ہاتھوں نے ہی رکھی تھیں۔

سال بہ سال

شمالی امریکہ میں پہلی ہسپانوی نو آبادی نیو سپین کے وائسرائے کی دعوت پر 1539ء میں ایک مراکشی مسلمان اسٹیفان یہاں آتا ہے اور نئے سود بخش علاقوں کی نشاندہی کے لئے براعظم کو دو دوسرے امریکیوں کے ہمراہ پہلی بار شرقاً غرباً پار کرتا ہے۔ اریزونا اور نیو میکسیکو اس کی دریافت ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ بیشتر مسلمان غلاموں نے بتدریج اپنے آقاؤں کا مذہب اختیار کر لیا لیکن کچھ نے اپنے دین کو سینے سے لگائے رکھا۔ جنوبی کیرولائینا کا ایک اہل قلم 1790ء میں لکھتا ہے کہ اس کے علاقے میں ایسے غلام موجود ہیں جو اللہ اور محمد (صلی اللہ وعلیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں اور خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے۔ یہ لوگ دراصل ان ہسپانوی مسلمانوں میں سے تھے جو صلیبی جنگوں کے خاتمے کے بعد ہسپانوی محاسبہ شروع ہونے پر اپنے وطن سے فرار ہوئے یا نکالے گئے تھے مگر انہوں نے اپنے آبائی خطوں کو لوٹنے کی بجائے بحرالکاہل میں یورپی مسیحی طاقتوں کے خلاف ایک طرح کی تحریک مزاحمت جاری کر دی تھی جسے بحری قزاقی کا نام دیا گیا۔ یورپی بحری طاقتوں سے لڑائیوں میں جو "بحری قزاق" پکڑے جاتے تھے انہیں غلام بنا کر امریکہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ اس مخطوطے کے مطابق ایسے لوگ فلوریڈا میں بھی موجود تھے۔

امریکی جنوب میں جارجیا کالونی کے بانی نے 1732ء میں میری لینڈ میں اپنے مسلمان غلام ایوب ابن سلیمان کو آزاد کر کے انگلستان تک اس کے سفر کا انتظام کر دیا اور وہ وہاں سے اپنے گھر واپس افریقہ جا پہنچا۔

4 جولائی 1776ء کے امریکی اعلانِ آزادی کے بعد شمالی امریکہ کی تیرہ برطانوی نو آبادیوں کو تو تاج برطانیہ سے آزادی مل گئی لیکن ان میں بلا معاوضہ محنت کی چکی میں پسنے والے جنگ آزادی میں حصہ لینے کے باوجود بدستور غلام رہے۔ البتہ غلاموں میں آزادی کا سویا ہوا احساس آہستہ آہستہ جاگنے لگا اور آقاؤں کے سفید فام معاشرے بالخصوص کلیسا میں انہیں کچھ ہمدرد بھی مل گئے جن کی تعداد بتدریج بڑھنے لگی۔

1807ء میں امریکی کانگرس نے ایک قانون منظور کیا جس میں کہا گیا تھا کہ یکم جنوری 1818ء کے

بعد امریکہ میں غلاموں کی درآمد جرم ہو گی۔ انتناعی قانون کے باوجود اگلے ساٹھ سال میں غلاموں کی تجارت نقطہ عروج پر جا پہنچی اور وفاقی حکومت نے قانون نافذ کرنے کی کوشش میں غلام ڈھونے والے سات جہاز ضبط کئے۔ غلامی کے قانونی خاتمے کی منزل ابھی دُور تھی۔

قدرتی طور پر مسلمان غلاموں میں آزادی اور بغاوت کا جذبہ شدید تر تھا۔ 1809ء میں عمر ابن سعید غلامی کی زنجیریں توڑ کر بھاگا لیکن چارلسٹن ساؤتھ کیرولائینا میں پکڑا گیا اور قید کی سزا پائی۔ رواج کے مطابق جاگیردار جان اودن نے اسے سرکار سے خرید لیا اور اپنی زمینداری یا پلانٹیشن پر کاشتکار غلاموں میں شامل کر لیا۔ اودن بعد میں ریاست کے گورنر چنے گئے اور عمر نے ایک سو سال عمر پائی۔

30 اپریل 1840ء کو والئی اومان کا ایک بحری جہاز نیویارک پہنچا اور یوں ایک مسلم سلطنت کے ساتھ امریکہ کا اولیں تجارتی رابطہ قائم ہوا۔

1856ء میں امریکہ کی گھوڑ سوار فوج نے پہلی بار ایک مسلمان حاجی علی کو ملازمت میں لیا اور وہ اریزونا میں اونٹ پالنے کے ایک فوجی منصوبے پر کام کرتا رہا۔

6 اکتوبر 1859ء کو غلامی کے سفید فام مخالفوں میں سے ایک جان براؤن نے اپنے خاندان کے افراد اور چند حریت پسند سیاہ فاموں کو ساتھ لے کر ہارپر فیری میں وفاقی اسلحہ ساز فیکٹری پر ایک دلیرانہ حملہ کیا' وہ اس پہاڑی قصبے کو ہتھیاروں کی فراہمی کا اڈہ بنانے کے بعد واشنگٹن کی جانب بڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حکومت نے کرنل رابرٹ ای لی کی سرکردگی میں ایک فوجی دستہ ارسال کیا جس نے بیشتر حملہ آوروں کو مار ڈالا اور پادری براؤن کو گرفتار کر لیا۔ براؤن پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور اسے موت کی سزا ہوئی۔ پھانسی کے تختے سے جلادوں اور تماشائیوں سے خطاب کرتے ہوئے براؤن نے انتباہ کیا۔ تم میرا گلا گھونٹ سکتے ہو لیکن میری آواز نہیں دبا سکتے۔ آج میرا جو خون ورجینیا کی اس زمین پر بہے گا وہ کل ایک سمندری طوفان کی طرح سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ براؤن کی پیشگوئی دو ہی سال میں پوری ہو گئی۔

غلامی کے حامیوں اور مخالفوں میں دیرینہ کشمکش بالآخر امریکی خانہ جنگی کا ایک سبب بنی۔ شمال کے بیشتر قانون ساز غلامی کے خاتمے کے حامی تھے۔ 8 فروری 1861ء کو سات جنوبی ریاستوں نے جو غلام رکھنے پر مصر تھیں کنفیڈریٹ سٹیٹس آف امریکہ کے نام سے الگ ملک قائم کر لیا۔ کنفیڈریٹ فورسز نے فورٹ سمٹر چارلسٹن کی وفاقی فوجی چھاؤنی پر حملہ کیا تو خانہ جنگی چھڑ گئی۔ صدر ابراہیم لنکن نے باغی جنوب کے ساتھ لڑائی کے لئے 75 ہزار رضاکار طلب کئے۔ تین مہینوں میں وفاق یا یونین سے الگ ہونے والی ریاستوں کی تعداد گیارہ ہو گئی۔ لنکن نے جنوبی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کی۔ خونریز خانہ جنگی چار سال جاری رہی۔ بھائی بھائی کے خلاف لڑا۔ مجموعی طور پر

646392 افراد کام آئے۔ شمال نے جنوب پر فتح پائی جس کی فوجوں کے کمانڈر انچیف نیرنگئ قدرت سے رابرٹ ای لی تھے۔ جنگ کے نقطہ عروج پر 1865ء میں فتح یاب شمالی فوجوں نے یونیورسٹی آف الاباما کی لائبریری جلا کر راکھ کر دی مگر اس واقعہ کی یادگار کے طور پر ایک کتاب بچا لی۔ وہ قرآن حکیم کا ایک نادر نسخہ تھا۔ غلاموں نے چپ چاپ الگ کھڑے سارا ہولناک ڈراما دیکھا لیکن حالات کے معمول پر آنے کے بعد چوری چھپے گروہ در گروہ شمال کی طرف ہجرت شروع کر دی جہاں وہ آزادی کا سانس کھل کر لے سکتے تھے۔ سیاہ فام امریکی مسلمانوں کے تقریباً تمام راہنماؤں کا آبائی تعلق جنوب سے ہے۔

کانگرس نے جنوری 1865ء میں آئین میں چودھویں ترمیم کے ذریعہ سرزمین ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر غلامی کی ممانعت کر دی اور سال کے اواخر تک مطلوبہ ایک تہائی ریاستوں نے اس کی توثیق کی لیکن اس معاملے میں جنوب کے تامل کا مضحکہ خیز ثبوت یہ ہے کہ الاباما نے رسمی لحاظ سے اس پر 1995ء میں صاد کیا۔

1869ء نہر سویز کے افتتاح کے بعد متعدد یمنی مسلمان امریکہ آئے۔

1870ء میتھوڈسٹ پادری نارمن نے اسلام قبول کیا۔

1889ء۔۔ نامور سکالر ایڈورڈ بلائیڈن (2) نے امریکہ کے طول و عرض کا دورہ کیا اور شمال مشرق اور جنوب کے کئی شہروں میں اپنے لیکچروں کے دوران یہ وضاحت کی کہ سیاہ فام امریکی مسیحیت سے زیادہ اسلام میں دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ ان کا موقف تھا کہ قرآن پاک عربوں اور یوریوں کے درمیان انہیں انحطاط ذات سے بچاتا ہے۔

1893ء۔۔ مسلمان ہونے والے اوّلیں سفید فام امریکیوں میں سے ایک دانشور محمد الیگزینڈر رسل ویب (3) تبلیغ اسلام کے لئے امریکی تحریک کی بنیاد رکھتا ہے۔ اسی سال شکاگو میں مذاہب کی عالمی کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور ویب اس میں اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے دو لیکچر دیتے ہیں۔ عنوان ہیں 'اسلام کی روح اور معاشرتی حالات پر اسلام کے اثرات۔ (اس سلسلے کی دوسری صد سالہ عالمی کانفرنس 1993ء میں پھر شکاگو میں منعقد ہوئی جس میں پاکستان سمیت متعدد اسلامی ملکوں کے نمائندے موجود تھے)۔

1900ء۔۔ راس 'نارتھ ڈکوٹا میں مسلمان پہلی بار نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

1908ء۔۔ امریکہ میں کامیاب زراعت اور موٹر سازی کی نوزائیدہ صنعت کو کارکن درکار ہیں جس کی اطلاع پا کر مسلمان آبادکاروں کی پہلی لہر شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل سے ٹکراتی ہے۔ تارکین وطن کا تعلق زوال پذیر سلطنت عثمانیہ کے عرب صوبوں شام لبنان اور اردن وغیرہ سے ہے۔ یوں اولیں ترک 'عرب' کرد اور البانوی مسلمان امریکہ کو اپنا گھر بناتے ہیں۔

1913ء-- سلطان مراکش کے ایماء پر ایک سیاہ فام نو مسلم امریکی ٹموتھی ڈریو(4) نیو آرک (نیو جرسی) میں مورش سائنس ٹمپل آف امریکہ کے نام سے ایک مسجد قائم کرتا ہے اور امریکی سیاہ فاموں کو جو اب تک غلامی کے احساس تلے کچلے ہوئے ہیں اسلام کی دعوت دیتا ہے تو بہت سے افریقی امریکی لبیک کہتے ہیں۔ ان کو بجا طور پر بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اباء کے دین کی طرف مراجعت کر رہے ہیں۔

1915ء-- البانوی مسلمان مین(5) میں ایک انجمن بناتے ہیں اور ایک مسجد تعمیر کرتے ہیں۔ یہ امریکی مسلمانوں کی پہلی تنظیم ہے۔

1919ء-- البانوی مسلمانوں کی دوسری مسجد کنکٹیکٹ(6) میں قائم ہوتی ہے۔ ہائی لینڈ پارک، مشی گن میں اسلامک ایسوسی ایشن قائم ہوتی ہے۔

1920ء-- ریڈ کراس کے خطوط پر ڈیٹرائیٹ مشی گن(7) میں دی ریڈ کریسنٹ یا انجمن ہلال احمر قائم ہوتی ہے۔

1921ء-- قادیان ہندوستان سے مفتی محمد صادق شکاگو ائی نائے(8) پہنچتے ہیں اور جماعت احمدیہ کی شاخ قائم کرتے ہیں۔

1922ء-- ڈیٹرائیٹ مشی گن میں اسلامک ایسوسی ایشن بنائی جاتی ہے۔

1926ء-- ڈوس محمد علی(9) ڈیٹرائیٹ مشی گن میں یونیورسل اسلامک سوسائٹی کے نام سے ایک تنظیم بناتے ہیں جس کا ماٹو ہے: ایک خدا' ایک نصب العین' ایک منزل۔ اسی سال پولش بولنے والے تاتاری بروکلین' نیویارک میں پہلی مسجد تعمیر کرتے ہیں۔

1930ء-- افریقی امریکی مسلمان پٹسبرگ' پنسلوانیہ میں اپنی پہلی مسجد قائم کرتے ہیں۔ اسی سال سیاہ فام مسلمان ایک اور تنظیم قائم کرتے ہیں جس کے نام کا مطلب ہے "شمالی امریکہ کے ویرانے میں گمشدہ قوم اسلام کی بازیافت(10)" اسی سال کوئینسی میساچوسٹس میں عرب امریکن بینر "دی سوسائٹی(11)" قائم ہوتی ہے۔

1933ء-- امریکہ میں تاریخ اسلام کا اہم ترین سال۔ "دی نیشن آف اسلام" کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ جو اگلے چار عشروں میں لاکھوں سیاہ فام امریکیوں کو غلامی کے باقی ماندہ اندھیروں سے نکال کر ایک منور راستے پر ڈالتی ہے اور انہیں سر اٹھا کر چلنے کا اذن دیتی ہے۔

اسی سال "امرائے ختن" کے نام سے انگریزی زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی جس میں ایک قدیم چینی مخطوطے کا ذکر ہے۔ سونگ دستاویز کے مطابق چینی مسلمان مہم جو 1178 میں مولان پی تک چلے گئے تھے جو امریکہ کا پرانا چینی نام ہے۔ اس مخطوطے نے امریکہ سے مسلمانوں کا تعلق مزید مقدم کر دیا۔

1934ء-- سیڈر ریپڈز ایووا (12) میں لبنانی مسلمان مسجد کے معروف ڈیزائن پر خدا کا گھر تعمیر کرتے ہیں۔

1939ء-- شیخ احمد داؤد نیویارک میں اسلامک مشن سوسائٹی قائم کرتے ہیں اور ایک رسالہ (13) جاری کرتے ہیں۔

1952ء-- امریکی مسلح افواج کے مسلمان مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں بطور مسلمان اپنی شناخت کی اجازت دی جائے۔ اس وقت تک امریکی محکمہ دفاع اسلام کو جائز مذہب تسلیم نہیں کرتا تھا۔ انٹر نیشنل مسلم سوسائٹی "آئی ایم ایس" منظم کی جاتی ہے۔

1954ء-- آئی ایم ایس کا نام فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشنز کر دیا جاتا ہے۔

1955ء-- شیخ احمد داؤد فیصل سٹیٹ سٹریٹ نیویارک میں مسجد قائم کرتے ہیں جو بعد میں دارالاسلام تحریک کا منبع بنتی ہے۔

1957ء-- اسلامک سنٹر آف واشنگٹن ڈی سی کا افتتاح ہوتا ہے جس کی تعمیر میں مصر کے بعد سب سے زیادہ حصہ پاکستان کا ہے۔

1960ء-- سسٹر کلارا محمد (14) کے نام پر نیشن آف اسلام نے یکے بعد دیگرے جو مسلم سکول قائم کئے ہیں امریکی ذرائع ابلاغ انہیں "اپنی مدد آپ" کہہ کر ان کی داد دیتے ہیں مگر انہیں امریکی نظام کے لئے خطرہ قرار دیا جاتا ہے۔

1962ء-- افریقی امریکی مسلمانوں کا قبلہ درست کرنے والی تحریک دارالاسلام شروع ہوتی ہے اور اپنی دو عشروں کی زندگی میں سیاہ فام مسلمانوں کو "صراط مستقیم" پر ڈالتی ہے۔

1962ء-- ہفتہ وار اخبار محمد سپیکس (15) جاری ہوتا ہے جو نیشن آف اسلام کے بانی اور جوشیلے راہنما الائیجا محمد (16) (1897ء - 1975ء) کو شمالی امریکہ میں اللہ کا پیغامبر اور مہدی اعظم لکھتا ہے۔ اسلام کو سیاہ فاموں کا مذہب کہتا ہے گوروں کو شیطان کی ذریات قرار دیتا ہے اور بر اعظم میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کرتا ہے۔ نیشن کے صاف ستھرے خوش پوش جواں سال ارکان شہروں کی سڑکوں اور چوراہوں پر کھڑے ہو کر رسالہ فروخت کرتے ہیں اور اس کی اشاعت آٹھ لاکھ تک جا پہنچتی ہے۔ پھر نیشن کے ارکان کے عقائد اور نظریات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس کا نام بدلتا ہے۔

1963ء-- پاکستان عربستان اور دنیائے اسلام کے دوسرے خطوں کے مسلمان طلباء مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھتے ہیں۔

1965ء-- الحاج مالک شباز (17) (پیدائش 1925ء) جنہیں اسلام نے چور سے قطب کر دیا تھا اور جو اپنے غیر معمولی زور خطابت سے سیاہ فام مسلمانوں کا قبلہ درست کرنے کی جدوجہد میں تھے اور

اپنے استاد اور مربی الائیجا محمد کی قیادت کے لئے خطرہ سمجھے جاتے تھے ہارلم نیو یارک میں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ نیشن کے مبینہ آدمیوں پر مقدمہ چلتا ہے اور انہیں طویل قید کی سزائیں ہوتی ہیں۔

1968ء-- نیشن آف اسلام کے سیاہ فام ارکان کو جو حلال و حرام میں امتیاز کرنا سیکھ چکے ہیں اور نخش اور نشی اشیاء سے جو غیر مسلم سیاہ فاموں میں بہت مقبول ہیں جان چھڑا چکے ہیں مگر اب تک معروف ارکان دین سے بے خبر ہیں عامتہ المسلمین میں داخل کرنے کی ایک اور تحریک حماس عبد الخالص شروع کرتے ہیں۔ حنفی مذہب سنٹرل نیو یارک میں قائم ہوتا ہے اور جلد ہی قومی دار الحکومت واشنگٹن میں منتقل ہوتا ہے۔

1971ء--ایسوسی ایشن آف مسلم سائنٹسٹس اینڈ انجینئرز (18) قائم ہوتی ہے۔

1972ء--ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس (19) شروع ہوتی ہے۔ایک سیاہ فام امریکی مسلمان یوسف مظفر الدین جو جماعت اسلامی پاکستان سے متاثر ہیں اسلامک پارٹی آف نارتھ امریکہ واشنگٹن میں منظم کرتے ہیں۔

1974ء-- مسلم ورلڈ لیگ کو اقوام متحدہ میں این جی او حیثیت مل جاتی ہے۔

1975ء-- امریکہ میں اسلام کی تاریخ کا اہم موڑ- الائیجا محمد انتقال کر جاتے ہیں- نیشن ان کے بڑے بیٹے وارث دین محمد کو جو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہیں جانشین چنتی ہے اور وہ باپ کے مذہبی عقائد اور سیاسی نظریات کو رد کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ اب نیشن کے ارکان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے-وہ نیشن کا نام بھی ترک کر دیتے ہیں مگر ایک دھڑا لوئیس فراخان کے زیر قیادت نیشن اور اس کے بانی کے خیالات کو سینے سے لگائے الگ ہو جاتا ہے اور ہر مذہب کے سیاہ فاموں میں مقبولیت حاصل کرتا ہے۔

1976ء--وارث دین محمد اپنے لوگوں کی اصلاح شروع کرتے ہیں اور اپنی جماعت کو نیا نام دیتے ہیں۔

1977ء-- نیو آرک' (نیو جرسی) میں شمالی امریکہ کے مسلمانوں کی پہلی کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ حنفی تحریک کے علم بردار حماس عبد الخالص اور ان کے ساتھی بلدیہ واشنگٹن کی تین عمارتوں پر قبضہ کر کے تیس گھنٹے تک بہت سے لوگوں کو یرغمال میں لے لیتے ہیں- محاذ آرائی میں ایک شخص مارا جاتا ہے- خالص کو 41 تا 120 سال قید کی سزا ہوتی ہے۔

1978ء-- خلیجی ممالک امریکہ میں تبلیغی کاموں کے لئے رقوم کی تقسیم کی خاطر امام وارث دین محمد کو امین مقرر کرتے ہیں۔

1980ء--وارث کی جماعت کا نام "امریکن مسلم مشن" ہو جاتا ہے۔

1981ء-- امریکہ میں پہلی اسلامی لائبریری پلینز فیلڈ انڈیانہ میں قائم ہوتی ہے۔ واشنگٹن کے مضافات میں "بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی (20)" کا افتتاح ہوتا ہے۔

1982ء-- مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی مضبوط اور وسیع بنیادوں پر "اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ" کی استواری شروع ہوتی ہے۔ اب وہ ایک درجن کے قریب علمی، تعلیمی، اشاعتی، مالیاتی اور تبلیغی اداروں اور تنظیموں کے لئے ایک چھاتہ ہے۔

1985ء--وارث دین محمد یہ کہہ کر اپنی جماعت توڑ دیتے ہیں کہ اسلام میں گروہ بندی کی گنجائش نہیں۔

1986ء--نامور محقق مفکر اور مصنف اسماعیل فاروقی اور ان کی اہلیہ فلاڈلفیا میں سحری کے وقت اپنے گھر کے اندر قتل کر دیئے جاتے ہیں اور مبینہ قاتل عدالت کو بتاتا ہے کہ آسمان سے آنے والی ایک آواز نے اسے اس فعل پر آمادہ کیا تھا۔

1990ء-- امریکن مسلم کونسل (21) کا قیام-- یہ لابی گروپ خلیج کی جنگ میں اپنے ملک کے موقف کی کھل کر تائید کرتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں نسلی تفریق و امتیاز کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور امریکی مسلمانوں کی جانب سے جنوبی افریقہ کی سیاہ فام اکثریت سے یکجہتی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

1991ء-- امریکی کانگرس کے دونوں ایوانوں کے اجلاس ایک دیرینہ روایت کے مطابق دعا سے شروع ہوتے تھے جو بالعموم عبرانی اور نصرانی مذاہب کے پیشوا کرتے تھے اس سال ایوان نمائندگان کی کارروائی شروع کرنے کے لئے پہلی بار ایک مسلمان عالم دین کو مدعو کیا جاتا ہے اور مسجد تقویٰ بروکلین نیویارک کے امام سراج وہاج قرآن حکیم کی تلاوت کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔ امریکہ کی مسلح افواج کے مسلمان واشنگٹن کے ایک فوجی اڈے پر اپنی پہلی کانفرنس منعقد کرتے ہیں۔ محکمہ دفاع اعتراف کرتا ہے کہ اس کے پانچ ہزار سے زیادہ باوردی ملازمین مسلمان ہیں۔ امریکہ کا ایک شہر پہلی بار ایک مسلمان کو میئر منتخب کرتا ہے وہ کنزے ٹیکس کے چارلس بلال تھے۔

1992ء--امام وارث دین محمد امریکی سینٹ کے اجلاس کی کارروائی آیات قرآنی کی تلاوت سے شروع کراتے ہیں۔

1993ء-- محکمہ دفاع اپنے مسلمان ملازمین کی مذہبی ضروریات پوری کرنے کے لئے پہلی بار ایک مسلمان عالم دین کو کپتان کے منصب کے ساتھ کمشن دیتا ہے۔

26 فروری کو نیویارک شہر کی بلند ترین جڑواں عمارت ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے تہہ خانے میں ایک طاقتور بم کے دھماکے سے پانچ افراد ہلاک اور تقریباً ایک ہزار زخمی ہو جاتے ہیں۔ عرب ملکوں سے آبائی تعلق رکھنے والے ایک درجن مسلمان گرفتار کئے جاتے ہیں۔ ان پر مقدمہ چلتا ہے اور ایک

نابینا مصری عالم دین عمر عبد الرحمٰن سمیت کئی ملزموں کو سزا ہو جاتی ہے۔ متعصب' ذرائع ابلاغ کہتے ہیں کہ اسلامی دہشت گردی امریکہ آپہنچی ہے۔ امریکی مسلمانوں کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔

1992ء۔۔ایک امریکی صدر (بل کلنٹن) پہلی بار سمعی اور بصری ذرائع ابلاغ کے لئے اپنا پیغام عید ریکارڈ کراتے ہیں۔ اس سے پہلے عیدین پر وائیٹ ہاؤس سے ایک رسمی تحریری بیان جاری ہوا کرتا تھا۔

1995ء۔۔ایک امریکی مسلمان کی اپیل پر دس لاکھ سیاہ فام امریکی مرد واشنگٹن میں جمع ہوتے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔

1996ء۔۔امریکہ کی بیشتر اسلامی تنظیمیں بیس ہزار مسلح امریکی فوج ڈے ٹن امن سمجھوتے کی تعمیل کے لئے بوسنیا بھیجے جانے کی حمایت کرتی ہیں۔

تارکینِ وطن

اگرچہ اسلام مسلمہ طور پر دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ایک ارب سے زیادہ لوگ یا دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ اس دین سے وابستہ ہے لیکن عام طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اسلام کی سرزمین نہیں سمجھا گیا حالانکہ اس ملک میں بھی مسلمانوں کی تعداد کا غیر سرکاری تخمینہ ساٹھ لاکھ سے اوپر ہے۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں بالترتیب کیلے فورنیا' نیویارک' الی نائے۔ نیوجرسی' انڈیانہ' مشی گن' ورجینیا' ٹیکسس' اوہایو' اور میری لینڈ کی ریاستوں میں ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں یہاں مسلمانوں کی آبادی میں نقل وطن' پیدائش اور تبدیلیٔ مذہب کے ذریعے تیزی سے اضافہ ہوا۔ امریکی مسلمانوں میں دو تہائی' مسلم اکثریت کے ملکوں بالخصوص مشرق وسطیٰ سے آبائی تعلق رکھتے ہیں۔ باقی مسلمانوں کی بڑی اکثریت نومسلم ہے اور ان میں افریقی امریکی جنہیں بلیک مسلم بھی کہا جاتا ہے غالب ہیں۔ امریکہ میں اسلام کی ایک محقق یو آن حداد (22) اور بہت سے دوسرے امریکی ماہرین مانتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی آبادی موجودہ رفتار سے بڑھتی رہی تو سال 2015ء میں وہ مسیحیت کے بعد امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب ہو گا۔

امریکی آئین کی رو سے ریاست اور کلیسا کی علیحدگی جس نے مذہبی رواداری کو فروغ دیا' اور کلو کلکس کلین (23) جیسی متشدد مذہبی جماعتوں کو دوسروں پر اپنی تنگ نظری مسلط کرنے سے باز رکھا' باقی دنیا میں نسلی تفریق و امتیاز اور مذہبی رعونت کا شکار ہونے والے انسانوں کے لئے کشش کا باعث بنی۔ عقیدے کی آزادی خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی اس ملک میں مذاہب کے فروغ کا وسیلہ ہے۔ اگرچہ آبادی کی اکثریت پروٹسٹنٹ ہے اور اس نے آزادی کی دو صدیوں میں جان ایف کینیڈی کے سوا مسیحیت کی دوسری بڑی شاخ سے کسی رومن کیتھولک کو حکومت کا سربراہ (1961-63ء) منتخب نہیں کیا لیکن پھر بھی کیتھولک لوگوں نے ترقی اور اقبال مندی کے مواقع سے بلا روک ٹوک پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ بیشتر کیتھولک یورپ میں مذہبی دارو گیر سے تنگ آکر امریکہ میں منتقل ہوئے' بعد میں اسی حالت میں یورپ کے ان خطوں سے مسلمانوں نے امریکہ کا رخ کیا جہاں کمیونزم کا غلبہ ہونے سے مذہب کی پیروی محال ہو گئی تھی لیکن امریکہ میں اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ بیشتر مسلم تارکینِ وطن اقتصادی مواقع کی تلاش میں نئی دنیا میں داخل ہوئے۔

اس سرزمین پر اکا دکا مسلمانوں کی آمد تو امریکہ کی مبینہ دریافت سے پہلے شروع ہو گئی تھی۔ اور 1717ء میں افریقہ سے عربی بولنے والے مسلمان' غلاموں کی حیثیت سے در آمد ہونے لگے تھے لیکن مسلمان تارکین وطن کی پہلی باقاعدہ لہر شام کے سقوط پر 1875ء میں شروع ہوئی' اس سے پہلے لبنان سے مسیحی عرب روزگار کے لئے امریکہ آتے جاتے تھے ان سے امریکہ کی خوشحالی کے قصے سن کر باقی ماندہ شام' لبنان' اردن اور فلسطین سے مسلمانوں نے نئی دنیا کا رخ کرنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں برٹش انڈیا کے توسط سے کچھ شتربان افغان بھی امریکہ لائے گئے۔ یہ سب نووارد ناخواندہ اور بے ہنر تھے۔ انگریزی زبان سے ناواقف تھے۔ انہوں نے کھیتوں' کانوں اور فیکٹریوں میں مزدوری کی' پھیری لگا کر سودا بیچا یا گروسری کی دکانیں چلائیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کوئی دانشور نہیں تھے اس لئے رفتہ رفتہ وہ اپنی ثقافتی اقدار بھول گئے اور ان کی اولاد اپنے دین سے بھی لاتعلق ہو کر غیر مسلم معاشرے میں مدغم ہو گئی۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہونے پر نقل وطن کی پہلی لہر میں خلل پڑا۔ نقل وطن کی دوسری لہر جو 1930ء کے عشرے میں نقطہ عروج کو پہنچی دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے پر رک گئی۔ ڈاکٹر حداد لکھتی ہیں کہ اس دور میں امی گریشن کے امریکی قوانین انتہائی جانبدارانہ تھے بعض تارکین وطن کو ایلس آئی لینڈ (نیویارک) سے جہاں تارکین وطن کی جانچ پڑتال ہوتی تھی واپس کر دیا گیا اور مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کو امریکی شہریت نہ ملی کیونکہ سرکاری حکام امیدوار کے رنگ اور ناک کی شکل سے یہ طے نہیں کر پاتے تھے کہ وہ کس نسل سے ہے۔ پہلے سے آباد ہونے والوں کے قریبی رشتے داروں کا داخلہ تو کھلا رہا لیکن دوسرے لوگوں پر پابندیاں عائد ہو گئیں۔

نقل وطن کی تیسری لہر 1947ء سے لیکر سن 60ء کے عشرے کے وسط تک برقرار رہی اس دوران لوگ مسلم اکثریت کے نئے نئے آزاد ہونے والے ملکوں میں سیاسی کشمکش سے بیزار ہو کر یا سیاسی جبر و استبداد سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزین ہوئے۔ اب تعلیم یافتہ مسلمانوں کی آمد کا زمانہ تھا۔ بہت سے انجینئر' ڈاکٹر' سائنس دان اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین اپنے ملکوں میں علمی اور اقتصادی ترقی کے مواقع محدود پا کر امریکہ پہنچے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی معیشت تیزی سے وسیع ہو رہی تھی اور اس میں غیر ملکی' ماہرین کو جذب کرنے کی گنجائش تھی۔ بیشتر ڈاکٹر اور انجینئر فلسطین' مصر' ہندوستان اور پاکستان سے آئے' تعلیم یافتہ تارکین وطن کا سب سے بڑا گروپ فلسطینی تھا جو ارض فلسطین میں اسرائیل کے قیام کی وجہ سے اجڑا تھا۔ جمال عبدالناصر کے عہد میں جن مصریوں کی جائیدادوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا ان میں سے کئی امریکہ پہنچے' شام میں ایک پارٹی کی حکومت کے قیام سے جن لوگوں نے اپنے آپ کو الگ تھلگ پایا وہ بھی امریکہ آئے۔ کمیونزم سے فرار ہونے والے بیشتر مسلمان' البانیہ' یوگوسلاویہ اور سویت یونین

سے امریکہ پہنچے۔
دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح سے امریکہ نے جو سب سے بڑا سبق سیکھا وہ بین الاقوامیت کا تھا' اس نے باقی دنیا سے سیاسی' اقتصادی اور فوجی رابطوں کو وسیع کرنے کی غرض سے متعدد پروگرام شروع کئے۔ محکمہ خارجہ کے تحت ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ (24) بنائی گئی۔ جس کا مختصر ذومعنی نام "ایڈ" ساری دنیا پر چھا گیا۔ فورڈ فونڈیشن قائم ہوئی۔ فل برائٹ سکالر شپ آیا اور سرکاری یا نجی سطح پر طلباء اور اساتذہ کے تبادلے کے درجنوں منصوبے رائج ہوئے۔ سلطنت برطانیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اس کے سابق اجزائے ترکیبی کے خطوں سے جہاں انگریزی بالعموم ثانوی زبان تھی اعلیٰ تعلیم کے پیاسے کیمبرج یا آکسفورڈ کا رخ کرنے کی بجائے ہارورڈ' جارج ٹاؤن' سٹینفورڈ' ٹمپل' پرنسٹن' (25) اور دوسری معیاری امریکی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے لگے۔ مسلمان طلباء کی سالانہ اوسط ایک لاکھ تھی۔ 1963ء میں مسلمان طلباء کی انجمن ایم ایس اے (26) کا قیام امریکہ میں اسلام کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے اس کے ساتھ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی تنظیم کاری کا وسیع اور دوررس کام شروع ہوا اور اسی جماعت کے ارکان نے جو اپنے وطنوں کو لوٹنے میں کم فائدہ دیکھتے تھے اعلیٰ تعلیم و تربیت سے فراغت اور اطمینان بخش روزگاروں کے حصول کے بعد 1982ء میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (اسنا) (27) قائم کی جو مسلمان تارکین وطن کی سب سے بڑی تنظیم بن گئی اور جس نے مسلمان سائنس دانوں اور دوسرے پیشہ وروں کی متعدد انجمنوں کو جنم دیا' درس و تدریس کا ایک وسیع پروگرام شروع کیا' کتابیں اور رسالے شائع کئے۔ مساجد اور مدارس کی امداد کے منصوبے بنائے اور بلاسود سرمایہ کاری کی راہیں کھولیں۔ ایم ایس اے کو زوال نہیں ہوا لیکن اب اس کی سرگرمیاں درس گاہوں کے اندر رہتی ہیں۔ "ایم ایس اے" اور "اسنا" پر شروع ہی سے اس بین الاقوامی اسلامی تحریک کا اثر ہے جس میں برصغیر کی جماعت اسلامی' مشرق وسطیٰ کی اخوان المسلمین اور جنوب مشرقی ایشیا کی حزب التحریر سرگرم عمل چلی آ رہی ہیں لیکن 1988ء کے بعد جب امریکی مسلمانوں نے منظم طریقے سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور مسلم پولیٹیکل افیئرز (28) کمیٹی قائم کی تو امریکہ میں پیدا ہونے والے کئی مسلمان سیاسی کارکن اصرار کرنے لگے ہیں کہ امریکی مسلمانوں کی جماعتوں کو بیرونی ملکوں کے ساتھ اپنے تنظیمی رابطے محدود کرنے چاہئیں تاکہ امریکی مسلمانوں کے بارے میں امریکی معاشرے کا یہ عام تاثر زائل ہو کہ وہ غیر ملکی یا خارجی ہیں۔ اس رجحان سے "اسنا" میں جس کے بیشتر ارکان برصغیر اور مشرق وسطیٰ سے آبائی تعلق رکھنے والے تارکین وطن ہیں ایک طرح کے لبرل ازم یا آزاد خیالی نے جنم لیا اور وہ اسلامی شعائر بدستور قائم رہنے کے باوجود امریکی طور طریقے اپنا رہی ہے۔ اس سے ایک متوازی جماعت اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ

"اکنا"(29) کو تقویت حاصل ہوئی جس میں جماعت اسلامی سے وابستہ رہنے والے پاکستانی، ہندوستانی اور بنگلہ دیشی تارکین وطن کا غلبہ ہے اور جو بین الاقوامی اسلامی تحریک سے گہرے روابط رکھنے کے علاوہ اپنے ارکان میں دینی نظم وضبط دیکھنے پر مصر ہے۔"اسنا" کی طرح "اکنا" بھی مصیبت زدہ مسلمانوں کی عملی امداد پر کمربستہ ہے۔ اکنا تو اپنی قدامت پسندی کے باوصف امریکہ میں آفات سماوی کا شکار ہونے والے عام لوگوں کی امداد کے ٹھوس پروگرام چلا رہی ہے جن کی داد دی گئی ہے۔"اکنا" اسلام کی تفہیم اور فروغ کے لئے وسیع پیمانے پر کمپیوٹر سائنس کو بھی بروئے کار لا رہی ہے۔ تنظیم کی کوشش سے قرآن حکیم اسلامی تاریخ، فقہ اور حدیث پر بہت سا سافٹ ویئر بازار میں آگیا ہے۔

تارکین وطن کی چوتھی لہر 1970ء کے عشرے میں مشرق وسطٰی میں عرب اسرائیلی اور برصغیر میں ہندو مسلم اور سیاسی تنازعات کے سنگین ہونے کا نتیجہ ہے۔ اس لہر میں آنے والوں کو قانونی معنوں میں تارکین وطن کہنا دشوار ہے بیشتر مسلمان تعلیم سیاحت یا کاروبار کے ویزے پر امریکہ میں داخل ہوئے اور ویزے کی میعاد ختم ہونے پر واپس نہیں گئے ان میں سے بہت سوں نے معافی کے ایک اعلان کا سہارا لیا دوسروں نے پناہ کے قوانین کی آڑ میں قیام برقرار رکھا۔ سیاسی وجوہ کی بنا پر قید ہونے یا مذہبی تعصب کا شکار ہونے والوں کے لئے پناہ کے امریکی ضابطے سازگار ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں معتوب سیاسی جماعتوں کے پاکستانی ارکان اور مسیحی اور احمدی سرفہرست نظر آتے ہیں۔

پُرانے لوگ

جدید امریکہ تارکین وطن کا وطن ہے۔ اس میں تمام شہریوں کو آزادی امن اور مسرت کے حصول کا حق دیا گیا ہے۔ یورپی مسیحیوں کی طرح بیشتر مسلمان، روزگار کے مواقع کی تلاش میں یہاں آئے۔ امریکی مذاہب کے انسائیکلوپیڈیا کی رو سے 1539ء میں اسٹیفان نامی جو عرب امریکہ آیا وہ ایک فرانسیسی مہم جو(30) کا گائیڈ تھا۔ اسی صدی میں نصرالدین مصری آیا اور نیویارک کے ساحلی علاقے میں آباد ہو گیا لیکن اسے ایک انڈین شاہزادی کے قتل کے الزام میں صلیب پر چڑھا کر جلا دیا گیا۔ حج علی جسے 1840ء میں یو ایس آرمی نے اونٹ پالنے کے ایک منصوبے میں ملازم رکھا اور جس نے اری زونا کے صحرائی علاقے کی تسخیر میں امریکہ کی امداد کی ایک عوامی ہیرو بن گیا۔ امریکہ کی تاریخی کہانیوں میں اس کا بگڑا ہوا نام(31) آتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا مسلمان تارکین وطن کی ابتدائی لہریں عربستان پر ترکوں کے حملے کے بعد امریکی ساحلوں سے ٹکرائیں۔ ان میں زیادہ تر لبنانی اور شامی تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسیحی عربوں نے بھی اس زمانے میں امریکہ کا رخ کیا۔ اسی زمانے میں تارکین وطن ایران، ہندوستان اور ترکیہ سے آئے۔ ہندوستانی تارکین وطن میں زیادہ تر دوآبہ بست جالندھر کے وہ زراعت پیشہ سکھ اور مسلمان تھے جن کے لئے اپنی چاہی زمینیں ناکافی ہو گئی تھیں۔ یورپ اور مشرق وسطیٰ سے تارکین وطن خاندانوں کی صورت میں آتے تھے لیکن پنجاب سے نکلنے والے مرد اپنے کنبوں کو پیچھے چھوڑنے پر مجبور تھے ان میں سے اکثر بحری جہازوں پر مزدوری کرتے ہوئے امریکہ کے مغربی ساحل پر پہنچے۔ انہوں نے کیلیفورنیا میں کھیت مزدوروں کے طور پر کام کیا۔ زیادہ تر پھل توڑتے اور اسے برآمد کے لئے تیار کرتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم تک پنجابی کھیت مزدوروں نے کافی بچت کر لی تھی بعض نے زمینیں خرید کر اپنی کھیتی شروع کر دی تھی۔ اپنے خاندانوں کے افراد کو امریکہ بلاتے رہے، جنگ کے دوران وہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مسلمان اور سکھ آباد کاروں نے سان فرانسسکو سے اردو میں ایک اخبار جاری کیا جس میں وہ برطانوی راج سے اپنے آبائی وطن کی آزادی کی حمایت کرتے تھے۔ جدوجہد آزادی تیز ہوئی تو انہوں نے اسلحے سے بھرے ہوئے دو جہاز ہندوستان روانہ کئے جنہیں برطانوی

بحریہ نے منزل پر پہنچنے سے پہلے ڈبو دیا۔ اب بعض پنجابی آباد کار بڑے بڑے زراعتی فارموں کے مالک ہیں۔ انہوں نے کیلے فورنیا کے بڑے شہروں میں عالیشان مساجد اور گوردوارے تعمیر کئے ہیں اور وہ اپنے آبائی وطنوں کے سیاسی اور اقتصادی معاملات میں بدستور عملی دلچسپی لیتے رہتے ہیں یونیورسٹی آف کیلے فورنیا کے برکلے کیمپس (32) میں ریاست کے پنجابی آباد کاروں پر خاصا تحقیقی کام ہوا ہے۔

نقل وطن کے ابتدائی دور میں تین ہزار پولش مسلمان نیویارک پہنچے اور روسی مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی کمیونٹی اس علاقے میں بن گئی۔ مشرق وسطیٰ اور یورپ کے تارکین وطن کے لئے نیویارک کی بندرگاہ امریکہ کا صدر دروازہ تھی۔ ساحل کے سامنے لبرٹی آئی لینڈ میں "لبرٹی لیڈی" کا گرانڈیل مجسمہ تارکین وطن کے جہازوں کو خوش آمدید کہتا تھا' بحراوقیانوس کو پار کر کے امریکہ میں داخل ہونے والے بیشتر مسلمان' مشرقی اور وسطی ریاستوں میں آباد ہو گئے۔ روئی روزگار کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد انہوں نے روحانی ضرورت پر توجہ دی اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا۔ بیشتر محققین اتفاق کرتے ہیں کہ نئی دنیا میں پہلی باقاعدہ مسجد ریاست آیووا کے شہر سیڈر راپڈز میں تعمیر ہوئی۔

یو آن حد اور ریاست نارتھ ڈکوٹا کے قصبے راس (33) کی ایک عمارت کو اولیت دیتی ہیں۔

البانیہ اور یوگوسلاویہ کے بہت سے مسلمانوں نے سیاسی تشدد سے تنگ آ کر اپنے وطن چھوڑے اور امریکہ کے انہی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ کمیونسٹوں کے زیر نگیں آنے والے وسیع یورپی اور ایشیائی خطوں سے بھی ہزاروں مسلمانوں نے امریکہ کا رخ کیا۔ اور بروکلین نیویارک میں محمڈن سوسائٹی آف امریکہ قائم ہوئی۔

یورپ' مشرق وسطیٰ پنجاب اور دوسرے خطوں سے زیادہ تر مردوں نے امریکہ کا رخ کیا۔ وہ نئی دنیا میں روزگار کے نئے مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہاں آئے تھے۔ بیشتر سمجھتے تھے کہ پیسہ کما کر اپنے وطنوں کو واپس لوٹ جائیں گے۔ جوں جوں وقت گزرا اس سرزمین میں ان کی اقتصادی اور معاشرتی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں۔ جو مرد کنوارے تھے وہ امریکی عورتوں سے شادیاں کرنے لگے اور جو شادی شدہ تھے وہ اپنے بال بچوں کو منگوانے لگے' امریکہ کے قوانین' امریکی شہری کے غیر ملکی شوہر یا بیوی کو نقل وطن میں اولیت دیتے ہیں۔ جب تارکین وطن کے داخلے پر پابندیاں آئیں تو بہت سے غیر ملکی مستقل سکونت کا حق حاصل کرنے کے لئے امریکی عورتوں سے شادیاں رچانے لگے جن میں بیشتر ناکام ہوئیں۔ یہ حق حاصل کرنے کے لئے کئی دوسرے غیر ملکیوں نے سیاسی پناہ کے امریکی قوانین کا سہارا لیا۔

نومسلم ادیب راشد (34) جو افریقی امریکی (سیاہ فام) ہیں اپنی تصنیف میں توجہ دلاتے ہیں کہ بیشتر

ابتدائی مسلمان آباد کار پیسہ کمانے کے جنون میں مبتلا تھے۔ بعض نے الکوحل، خنزیر اور خوش نصیبی کے تعویز جیسی حرام اور ممنوعہ اشیاء کی فروخت سے بھی اجتناب نہ کیا اور جب انہیں دینی تعلیم کے اہتمام کی فرصت ملی تو سیاہ فام امریکیوں کو نظرانداز کیا۔ اور جب نوبل ڈریو علی اور الائیجا محمد نے نسلی بنیادوں پر اپنی تحریکیں شروع کیں تو باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے ان کے عقائد کو غیر اسلامی کہا تاہم وہ تکفیر کے فتوؤں کی زد میں آنے سے محفوظ رہے۔

سن ساٹھ کا عشرہ خیال افروز اور مردم خیز تھا۔ اسی عشرے میں "انصار" اٹھے اور انہوں نے بیک جنبش قلم، بلیک نیشنلزم جو دراصل نسل پرستی تھی، انتہاپسندی اور اسلام کو یکجا کر دیا۔ انصار کا امام عیسیٰ تھا جو کہتا تھا کہ دنیا کی اولین انسانی تہذیب سیاہ فاموں نے نیل کے کنارے پیدا کی تھی۔ الائیجا محمد کی کامیابی سے متاثر ہو کر اس نے اپنی تنظیم قائم کی اور مالکم ایکس کی طرح وہ بھی مشرق وسطیٰ کے دورے پر نکل گیا۔ حج بیت اللہ کے بعد وہ سوڈان گیا۔ ام درمان میں المہدی سوڈانی کے مقبرے پر حاضری دی۔ مرحوم کے خاندان کے افراد سے ملاقاتیں کیں اور آبا جزیرے میں بھی گیا جو اصل "انصار" کا گڑھ ہوا کرتا تھا۔ عیسیٰ نے سوڈان میں اپنی تمام سرگرمیوں کی تصویریں اتروا لی تھیں۔ امریکہ واپس آکر اس نے سوڈان میں "اپنے خاندان" سے ملاپ کی تصویریں اپنے پیروکاروں اور ان کے عزیز و اقارب کو دکھائیں اور دعویٰ کیا کہ وہ مہدی سوڈانی کا جس نے برطانوی استعماری فوج کو شکست دی تھی وارث ہے۔ اب وہ امام عیسیٰ المہدی کہلاتا تھا۔

1969ء میں جب سوڈانی لیڈر امام الہادی المہدی جزیرہ آبا کی بغاوت میں مارا گیا تو اس نے اپنا نام پھر بدلا اور امام عیسیٰ الہادی المہدی کہلانے لگا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ امام الہادی عرصہ پہلے امریکہ آیا تھا اور اس نے ایک افریقی نژاد امریکی خاتون سے شادی کی تھی جس کے بطن سے وہ خود تولد ہوا اور امام الہادی سوڈان واپس چلے گئے جب یہ کہانی سوڈان پہنچی تو مہدی خاندان بڑا ناراض ہوا۔ خاندان نے ابتدائی تحقیقات کے بعد عیسیٰ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرنے کا فیصلہ کیا لیکن الصادق المہدی نے جو کنبے کا سیاسی لیڈر تھا مزید غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ منسوخ کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر امریکہ میں مہدی خاندان کا اثر و رسوخ بڑھتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بعد میں جب صادق مہدی امریکہ آیا تو عیسیٰ نے اسے اپنی تنظیم کے ہیڈ کوارٹرز میں مدعو کیا اور اس نے سوڈانی اور امریکی مسلمانوں کی ناراضگی مول لیتے ہوئے یہ دعوت قبول کر لی۔ یہ اقدام عیسیٰ کی تنظیم کو جواز مہیا کرنے کے مترادف تھا تاہم، بروکلن میں عیسیٰ اور اس کے حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے صادق مہدی نے انہیں دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ ان کا قبلہ درست نہیں ہے اور اگر وہ اپنی عبادات میں بائبل پڑھتے ہیں تو وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

دار الاسلام امریکہ میں ایک خالص سنی جماعت ہے جسے سن ساٹھ کے عشرے میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اگرچہ جماعت کا تعلق عامتہ المسلمین سے تھا لیکن اس کا تنظیمی ڈھانچہ نرالا تھا۔ جماعت کا نام دنیا کی تقسیم کے کلاسیکی اسلامی تصور پر مبنی تھا جس کے مطابق کرہ ارض کا ایک حصہ اسلام یا امن کا اور دوسرا جنگ کا گھر ہے یحییٰ عبدالکریم کو دارالاسلام کا "امیرالمومنین" چنا گیا اور اس نے اپنی انتظامیہ میں دفاع، مالیات تعلیم، خارجہ امور، معاشرتی بہبود اور مساجد کی "وزارتیں" قائم کیں جن کا مقصد، دین اور دنیا کے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی ضروریات پورا کرنا تھا۔ دارالاسلام جلد ہی ایک قومی تنظیم بن گئی، صرف نیویارک کے علاقے میں بیس مساجد اس کے زیر اثر تھیں۔ سیاہ فام امریکیوں کی بیشتر جماعتوں کی طرح یہ بھی ایک عسکریت پسند تنظیم تھی اور بعض اوقات تشدد کے واقعات میں ملوث پائی جاتی تھی۔

سن 80ء کے عشرے میں ایک پاکستانی صوفی شیخ جیلانی نیویارک آئے اور انہوں نے دارالاسلام کی ایک مسجد میں وعظ کرنا شروع کیا۔ چند حواری ان کے گرد جمع ہو گئے اور شیخ کے علم اور کرامات کی شہرت جلد ہی دوسری مساجد تک پھیل گئی، لوگ شیخ جیلانی کی مسجد میں آنے لگے اور کچھ ان کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ ان حالات میں امام یحییٰ کو شیخ جیلانی کے حق میں قیادت سے دست بردار ہونا پڑا۔ مگر اس کے نتیجے میں علاقے کے مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ جو لوگ شیخ جیلانی کے پیروکار تھے انہوں نے "فقرا" کے نام سے اپنا الگ گروپ بنا لیا اور سختی سے اسلامی تصوف کی پیروی کرنے لگے دوسرے جو شکست خوردہ امام یحییٰ کے حامی تھے تتر بتر ہو گئے اور دوسری اسلامی جماعتوں میں چلے گئے۔

بلیک نیشنلزم

امریکہ میں اسلام کا راستہ ان سیاہ فام دانشوروں نے ہموار کیا جو سفید فاموں کے مذہب سے بیزار اور اپنے رنگ کے لوگوں کی نجات کے لئے ایک مذہبی اساس کے متلاشی تھے۔ انہوں نے اقتصادی فلاح کے لئے قوم پرستی کا سہارا لیا اور روحانی سربلندی کے لئے اسلام کا دامن تھاما۔ مورخین اس سلسلے میں سب سے پہلے جہاز راں' جہاز ساز اور مخیر پال کوفی (35) کا نام لیتے ہیں جس کا آبائی تعلق گھانا سے تھا۔ دولت اور عظمت حاصل کرنے کے بعد کوفی نے نیو جرسی کی مقننہ سے درخواست کی کہ امریکی کانگرس کو ایک ایسا قانون بنانے کے لئے کہا جائے جس کے تحت ہر غلام کو آزادی حاصل ہو اور آزاد ہونے پر جو غلام اپنے آبائی وطن کو جانا چاہے اسے سفر کی سہولت دی جائے۔ یہ محضرنامہ امریکہ میں بلیک نیشنلزم کی پہلی دستاویز سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں 1817ء میں امریکن کالونائزیشن سوسائٹی (36) کی بنیاد پڑی جس نے سفید نام مخیروں اور وفاقی اور ریاستی حکومتوں کی مالی امداد سے خانہ جنگی سے پہلے تیرہ ہزار سیاہ فاموں کو مغربی افریقہ بھجوایا جہاں آزاد ہونے والے امریکی غلام اپنے نئے ملک لائبیریا کی بنیاد رکھ رہے تھے۔

کوفی کے محضرنامے نے 1920ء کے عشرے میں مرقس گاروی پر گہرا اثر ڈالا جس کی قوم پرستانہ تحریک کے اجزائے ترکیبی میں اسلامی ارکان دین کا احترام ملتا ہے' اگرچہ اسلام میں قوم پرستی اور وطن پرستی کی کوئی گنجائش خیال نہیں کی جاتی لیکن یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ امریکہ میں سیاہ فاموں کی قوم پرستی کا مضبوط ترین اظہار اسلام کی صورت میں ملا۔ جیسا کہ دنیا کے مختلف خطوں میں ہوا امریکہ میں بھی اسلام کو علاقائی ضرورتوں کے سانچے میں ڈھلنا اور یوں اپنا دائرہ وسیع کرنا تھا۔

ایڈورڈ ولمات بلائیڈن ان اولیں سیاہ فام قوم پرستوں میں سے ایک تھا جنہوں نے اسلامی شعائر اختیار کئے۔ یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو کہ وہ بلیک مسلم نیشنلزم کا پہلا ترجمان تھا۔ بلائیڈن نے مسیحیت کو سیاہ فاموں پر نسلی عدم مساوات مسلط کرنے کا قصور وار گردانا اور اسلام سے مسیحیت کے موازنے پر پندرہ مقالات شائع کئے۔ وہ اس تاریخی فضیلت پر ناز کرتا تھا کہ اسلام کا پہلا موذن ایک افریقی تھا۔ وہ اسلام میں نشہ آور مشروبات کی ممانعت' علم کے حصول کی حوصلہ افزائی اور

صنعت و حرفت کے فروغ کے حوالے دیتا تھا- اس کی تحریریں اور تقریریں براہ راست یا بالواسطہ طور پر مرقس گاروی' نوبل ڈریو علی اور الائیجا محمد پر اثر انداز ہوئیں-

گاروی افریقی قوم پرستوں کے امام ڈوس محمد علی کی تحریروں سے بھی متاثر تھا- ڈوس کا باپ مصری اور ماں سوڈانی تھی- وہ 1866ء میں سکندریہ میں پیدا ہوا تھا- جولائی 1912ء میں اس نے ایک رسالہ نکالا- اسی سال بلائیڈن کا انتقال ہو گیا- گویا امریکی سیاہ فاموں کو ایک آواز خاموش ہوتے ہی دوسری مل گئی-

انگلستان میں ڈوس کا مکان افریقی قوم پرستوں کی سرگرمیوں کا گڑھ تھا- اس نے انگلستان میں زیر تعلیم افریقی طلباء میں افریقی تاریخ کا ادراک پیدا کیا- اس نے ووکنگ مسجد کے مولانا محمد علی جالندھری اور خواجہ کمال الدین کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا- انگریز نو مسلم محمد مارماڈوک پکٹ ہال (37) اور عبداللہ یوسف علی سے بھی اس کے گہرے علمی تعلقات تھے- حسن اتفاق سے قرآن حکیم کے دو بہترین انگریزی تراجم' ڈوس کے انہی دوستوں نے کئے- ہندوستانی مسلمانوں سے تعلق خاطر کی بنا پر ڈوس نے ہندوستانی مسلمان سپاہیوں کی بیواؤں اور یتیموں کے لئے ایک فنڈ بھی قائم کیا اور سنٹرل اسلامک سوسائٹی کا نائب صدر رہا- امریکہ آکر اس نے یونیورسل اسلامک سوسائٹی قائم کی جس کا صدر دفتر ڈیٹرائٹ میں تھا- گاروی پر ڈوس کی زندگی اور عقائد کا اثر کتنا گہرا تھا اس کا اندازہ اس کی تحریک کے ماٹو سے ہوتا ہے "ایک خدا ایک نصب العین ایک مقدر"------ یہ خیال کہ اسلام سیاہ فاموں کا مذہب ہے سب سے پہلے گاروی نے ظاہر کیا اور اس کے پیروکار الائیجا پول نے جسے شمالی امریکہ میں اسلام کا علمبردار بننا تھا اسی خیال کو اپنی تحریک کی بنیاد بنایا-

گاروی کے پیروکار معروف معنوں میں مسلمان تو نہ تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے لئے تیار تھے- ٹونی مارٹن اپنی تحقیقی کتاب میں لکھتا ہے کہ احمدی مبلغ مفتی محمد صادق نے جو 1921ء میں قادیان سے شکاگو پہنچے تھے سب سے زیادہ توجہ گاروی کے پیروکاروں پر دی اور امریکہ میں اپنے دو سال کے قیام کے دوران ان میں سے چالیس سے زیادہ لوگوں کو احمدیت کے دائرے میں شامل کیا لیکن امریکن مسلم کونسل کے محقق نعمان فرید کا کہنا ہے کہ الائیجا پول نے جب الائیجا محمد کا نام اختیار کر کے فرد محمد کی تحریک کو تیزی سے آگے بڑھایا تو بیشتر سیاہ فام احمدی اس میں چلے گئے- امریکہ میں احمدیت کو فروغ زیادہ تر ان احمدی تارکین وطن نے دیا جو 70ء کے عشرے میں جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے کثرت رائے سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گروہ در گروہ امریکہ منتقل ہوئے اور انہوں نے شہر شہر نئی مساجد قائم کیں-

"بلیک مسلم"

امریکی مسلمانوں میں دو تہائی افریقی نژاد ہیں اسلام میں افریقی امریکیوں کی دلچسپی قدرتی ہے۔ امریکہ میں وہ گوروں کے مذاہب اختیار کرنے کے باوجود معاشرے کے مرکزی دھارے میں قبول نہ کیے گئے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جو افریقی غلام بنا کر امریکہ لائے گئے ان میں پچیس فیصد مسلمان تھے۔ جب سیاہ فام امریکیوں کو یاد دلایا گیا کہ ان کے آباؤ اجداد ایک خدا' ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب کو ماننے والے تھے تو ان کے کان کھڑے ہوئے اور جب انہوں نے سنا کہ اسلام گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فوقیت نہیں دیتا اور یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صلوٰۃ اور فلاح کی طرف بلانے کا کلیدی فریضہ ایک سیاہ فام بلال بن وہب کو تفویض کیا تھا تو انہوں نے سر اٹھا کر چلنے کا ولولہ پایا۔ عرب میں غلامی کی بنیاد نسلی نہیں تھی لیکن امریکہ میں صرف افریقی نسل کے لوگوں کو غلام بنایا گیا اور غلامی کی ممانعت ہو جانے کے باوجود سابق غلاموں اور ان کی اولاد پر ترقی کے دروازے تا دیر بند رہے۔ اسی جمود کے بطن سے ایک طاقتور تحریک نے جنم لیا جسے "بلیک مسلم موومنٹ" (38) کہا جاتا ہے۔

امریکی سیاہ فاموں کی دو ابتدائی تحریکیں جن میں کچھ اسلامی تعلیمات کار فرما تھیں پہلی جنگ عظیم کے لگ بھگ پھلی پھولیں۔ اول مورش سائنس ٹمپل موومنٹ (39) جس کی داغ بیل 1913ء میں ریاست نارتھ کیرولائنا کے سینتالیس سالہ ٹموتھی ڈریو نے نیو آرک (نیو جرسی) میں رکھی' اس نے نوبیل ڈریو علی نام اختیار کیا اور اپنے آپ کو پرافٹ کہا۔ اس کا آبائی تعلق مراکش سے تھا اور وہ سیاہ فاموں کو ان کی عظمت رفتہ کی یاد دلا کر انہیں متحد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شمالی امریکہ کے کئی شہروں میں ٹمپل قائم کیے اور تیس ہزار سے زیادہ سیاہ فاموں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو شناختی کارڈ جاری کیے۔ کارڈ پر ہلال اور ستارے کا اسلامی نشان تھا۔ جڑے ہوئے ہاتھوں کا خاکہ تھا اور ایک دائرے میں سات کا ہندسہ' شناختی کارڈ پر لکھا تھا "حامل ہذا یسوع' محمد' بودھ' کنفیوشس غرض خدا کے تمام پیغمبروں کو مانتا ہے اور اسے ہمارے خدا کے باپ اللہ کی برکات حاصل ہیں"۔ کارڈ کے مطابق اس کا حامل انصاف' آزادی' امن صداقت' محبت اور مکہ کے مقدس قرآن کے آسمانی قوانین کے تحت ایک مسلم ہے۔" پھر جلی

الفاظ میں یہ جملہ تھا- میں متحدہ ریاستوں کا شہری ہوں- تصدیق کنندہ تھا" "نوبل ڈریو علی' پرافٹ"- گویا نوبیل ڈریو علی نے پہلی بار افریقی نژاد امریکیوں کو متحد کرنے کے لئے ایسے اصولوں سے کام لیا جو اس کے نزدیک اسلامی تھے- دوم' 1916ء میں ایک پستہ قد مگر بھاری بھر کم سیاہ فام شخص مرقس گاروی (40) جو دو سال پہلے لندن میں قوم پرست سیاہ فاموں سے مل چکا تھا برطانوی غرب الہند سے امریکہ پہنچا اور اس نے سیاہ فاموں کی سربلندی کے لئے ایک جماعت کھڑی کرنے کے جوش میں گلی گلی تقریریں شروع کر دیں اور پھر سیاہ فاموں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ملک کی 38 ریاستوں کے دورے پر نکل گیا- ایک سال کے بعد جب وہ نیویارک واپس لوٹا تو ایک عالمی تنظیم کے خدوخال اس کے ذہن میں تھے-

"یونیا" (41) تنظیم تیزی سے پھیلتی رہی' 1919ء میں گاروی نے دعویٰ کیا کہ تنظیم کی اٹھارہ شاخوں کے ارکان کی تعداد بیس لاکھ سے اوپر ہے-

تنظیم کا اخبار (42) انگریزی کے علاوہ فرانسیسی اور ہسپانوی زبانوں میں بھی شائع ہوتا تھا اور اس کی تعداد اشاعت دو لاکھ سے اوپر بتائی جاتی تھی- اگست 1920ء میں نیویارک میں یونیا کی پہلی بین الاقوامی کنونشن ہوئی جس میں پچیس سے زیادہ ملکوں کے مندوبین شریک ہوئے' گاروی نے مہینہ بھر جاری رہنے والے مذاکرات کی اختتامی نشست سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم دکھی انسانوں کی اولاد ہیں' ہم ایسے لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے مزید دکھ نہ اٹھانے کا عزم باندھا ہے- عظیم براعظم افریقہ پر آزادی کا جھنڈا گاڑنے کے لئے ہم چار کروڑ نیگرو لوگوں کو ایک وسیع تنظیم میں یکجا کریں گے' اگر یورپ یورپیوں کے لئے ہے تو افریقہ دنیا کے سیاہ فام لوگوں کے لئے ہو گا' ہم یہ کہتے ہیں اور یہی ہمارا مطلب ہے"-

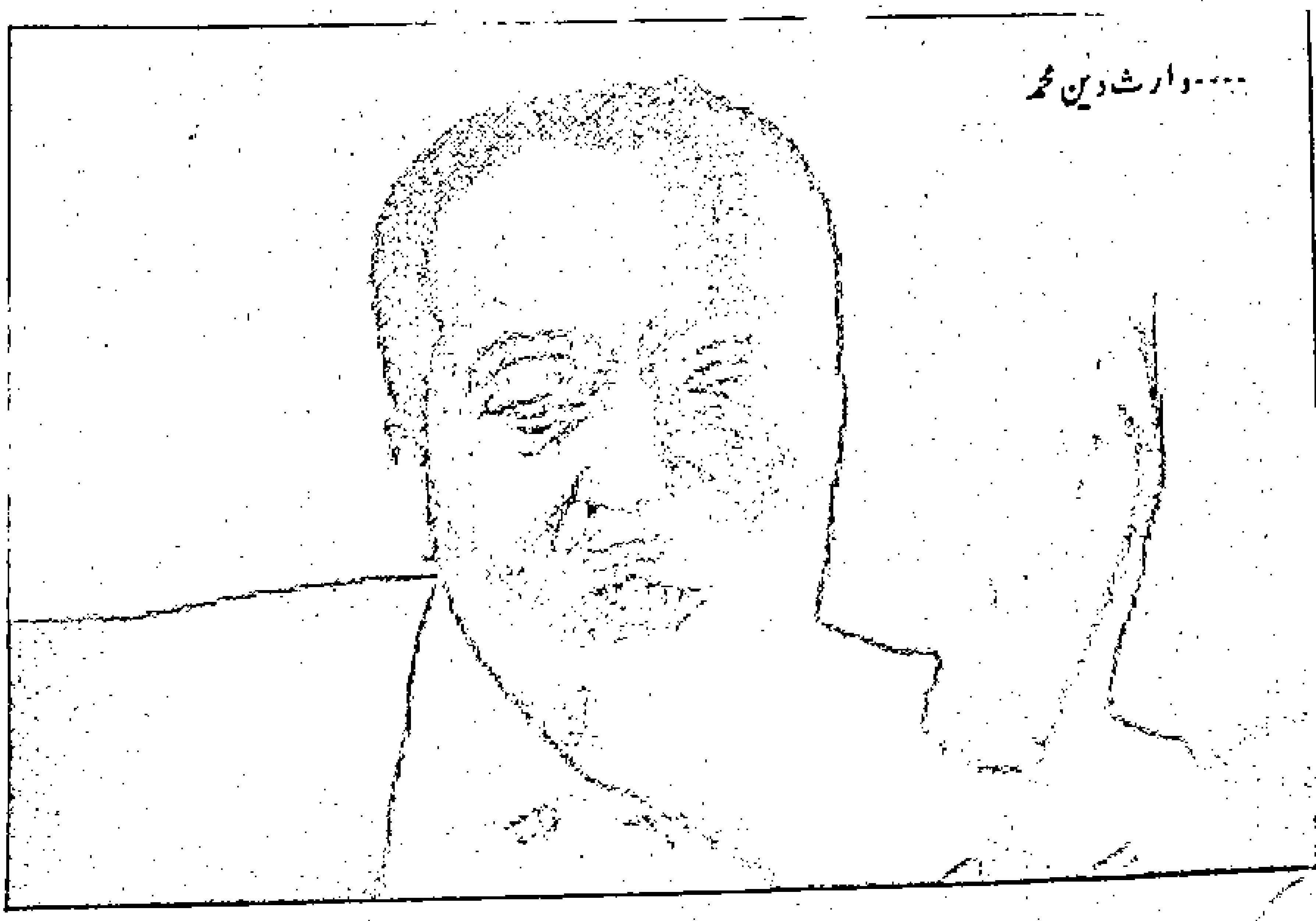
اگلے چار سال میں گاروی اور اس کے مذہبی عہدیداروں نے گوروں کے مذہب اور ان کے خدا پر زوردار حملے کئے- گوروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت بی بی مریم کی جو خیالی تصویریں بنائی تھیں اور جنہیں وہ اپنے گھروں میں آویزاں کرتے تھے ان میں ایک گورے مرد اور ایک گوری عورت کی تشبیہات تھیں- گاروی نے کہا کہ کالے کا خدا گورا نہیں ہو سکتا- اس پر گاروی کے سیاہ فام پیروکاروں نے خود اپنی شکل و شباہت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بی بی مریم کی تصویریں بنوانا اور گھروں میں رکھنا شروع کر دیں- یونیا کی بعض نظموں میں گاروی کو اللہ کا فرزند کہا جاتا تھا اور ان میں اللہ اکبر کا نعرہ آتا تھا- یونیا کے پیروکاروں نے تثلیث کو رد کر دیا تھا اور وہ اسلام کے بہت قریب آ چکے تھے- ٹونی مارٹن نے لکھا ہے کہ 1920ء کے یونیا کنونشن میں باقاعدہ یہ تجویز پیش ہوئی کہ اسلام کو تنظیم کا مذہب قرار دے دیا جائے لیکن گاروی نے اس پر صاد نہ کیا- قرارداد کے محرکین کا کہنا تھا کہ تین چوتھائی افریقی مسلمان ہیں اور وہ مسیحیوں سے بہتر

دیندار ہیں مگر گاروی جماعت کو سیکولر رکھنے کے حق میں تھا تاکہ کوئی سیاہ فام اس کے دروازے اپنے اوپر بند نہ پائے۔ ادیب راشد لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں احمدی مسلمان کوئی عوامی تحریک پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے کیونکہ سیاہ فاموں میں مسیحیت کا اثر و نفوذ مضبوط تھا اور گاروی اپنی جماعت کے لئے اسلام قبول کرنے میں متامل تھا پھر بھی بقول ان کے نوبیل ڈریو علی اور الائیجا محمد پر اسلامی اثرات گاروی تحریک کے توسط سے آئے۔

1920ء کے عشرے کے اواخر تک یونیا اور مورش سائنس تحریکیں جارحانہ اور کرشمہ ساز قیادتوں سے محروم ہوگئیں تاہم ان تحریکوں نے سیاہ فاموں کی ڈھارس بندھائی۔ انہیں اپنی انسانی قدر و منزلت سے باخبر کیا اور انہیں ان کا افریقی ورثہ یاد دلا دیا۔

عظیم جانشین

فرد کے پیروکاروں میں جارجیا سے مشی گن منتقل ہونے والا موٹر مکینک الائیجا پول نمایاں تھا' وہ اس کے پیغام کی من و عن تائید کرتا تھا اور تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیتا تھا' فرد کے کہنے پر الائیجا نے اپنا آبائی (غلامانہ) نام ترک کیا اور الائیجا محمد بنا۔ الائیجا محمد میں فرد کا جانشین ہونے کی تمام ضروری صلاحیتیں موجود تھیں۔ ایک موقع پر فرد نے اسے تحریک کا "چیف منسٹر" یا نائب منتخب کیا۔ اب بلیک مسلم تحریک خودکار اور فعال تھی' فرد نے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹنا شروع کیا اور جون 1934ء میں غائب ہوگیا۔ تحریک کی قیادت الائیجا محمد کے ہاتھ میں آگئی۔ اب تحریک کے ارکان کی تعداد آٹھ ہزار سے زیادہ ہو چکی تھی۔ جماعت میں باہمی جھگڑوں نے سر اٹھایا' اعتدال پسندوں نے جوشیلے الائیجا محمد پر دباؤ ڈالا اور وہ شکاگو منتقل ہونے پر مجبور ہوگیا۔ الائیجا محمد کا تفصیلی تذکرہ بعد میں ہوگا۔



عقیدے کا ارتقاء

عقائد کا تنوع امریکہ میں وجہ فساد کبھی نہیں رہا- الائیجا نے اپنے استاد ویلس فرد محمد کو خدا کہا- خود مینجر اور پرافٹ کہلایا اور اس کے ایک نامور شاگرد لوئس فرخان نے 1993ء میں واشنگٹن کی ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں اسے مسیحا اور مہدی اعظم (43) کہا لیکن محض ان دعوؤں کی بنا پر انہیں مسترد نہیں کیا گیا- الائیجا محمد کے ملفوظات (44) یوں شروع ہوتے ہیں-

"اللہ مقدس شہر مکہ' عرب' سے 1930ء میں ہمارے پاس آیا- اس نے ویلس ڈی فرد کا نام استعمال کیا اور اکثر دستخط ڈبلیو ڈی فرد کئے- تیسرے سال 1933ء میں اس نے ڈبلیو ایف محمد دستخط کئے جو ویلس فرد محمد کا اختصار ہے وہ اکیلا آیا؟-

آگے چل کر کلمہ طیبہ کے ایک عربی طغرے کے نیچے الائیجا محمد صلوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے-

"مسلمان اللہ اکبر کے اعلان کے ساتھ اپنی نماز شروع کرتا ہے اور وہ یہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں- وہ مزید یہ اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں جنہیں وہ حشر کے دنوں میں بازیافتہ آل ابراہیم میں سے اٹھائے گا"-

نیشن کی مطبوعات میں الائیجا کا یہ بیان بھی ملتا ہے-

"اللہ نے فرد محمد کے روپ میں میرے گھر پر دستک دی- میں نے دروازہ کھولا تو ایک ایسی ہستی کو سامنے پایا جس کی تعظیم کے لئے میرے دل میں جذبات کا ایک طوفان امڈ رہا تھا- میں اسے ادب اور احترام سے گھر کے اندر لے آیا- گھر میں اس عالیشان مہمان کی خاطر مدارت کا کوئی سامان نہیں تھا- میں نے اپنے مہمان کو صاف صاف بتا دیا کہ تنگ دستی کے باعث میں آپ کی کوئی تواضع نہیں کر سکتا- میرے ذیشان مہمان نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ تم باہر جاؤ اور گلی کی نکڑ پر جو بساطی بیٹھتا ہے اس سے کھانے پینے کی چیزیں ادھار لے آؤ- میں حکم کی تعمیل میں دکان پر گیا اور دکاندار سے کہا کہ میرے گھر میں ایک معزز مہمان آیا ہے کھانے پینے کی کچھ چیزیں درکار ہیں قیمت ادا کرنے کی توفیق نہیں- جب پیسے ہوں گے ادھار چکا دوں گا- بساطی بولا- مجھے معلوم ہے تمہارے گھر میں

کون آیا ہے۔ جو شے درکار ہو بلا تردد لے جاؤ اور اپنے مہمان کی خاطر مدارات کرو۔ میں خوش نصیب تھا کہ میں نے ایسے عظیم مہمان کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھولا جو ہمیں برکت دینے اور سالہاسال تک بھوکوں مارنے والے دشمنوں سے نجات دلانے آیا تھا۔

عبدالباسط نعیم جو لاہور سے عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن اور دوسری دینی کتابیں منگوا کر الائیجا کے پیروکاروں کو فراہم کرتے تھے ملفوظات کے تعارف میں لکھتے ہیں۔ "بلاشبہ میں اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ مسٹر الائیجا محمد کی بعض تعلیمات جو اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں مشرق میں کسی توجیح و تشریح کے بغیر مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوں گی خود مسلم لیڈر کو اس کا علم ہے اور وہ اس کے بارے میں کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ چند ماہ قبل اس نے مجھے بتایا کہ مشرق میں میرے بھائی غلامی کے حالات کا شکار نہیں ہوئے اور نہ آقاؤں نے ان کی برین واشنگ کی لہٰذا اگر اسلام کے پیغام کی بعض تشریحات میں وہ مجھ سے اختلاف کرتے ہیں تو میں ان کو مطعون نہیں کرتا۔ فی الحقیقت میں یہ توقع بھی نہیں کرتا کہ وہ کچھ ایسی باتیں جو یہاں میں اپنے لوگوں سے کہتا ہوں سمجھیں گے۔

الائیجا کے لوگ کون تھے؟ وہ جو سالہاسال تک غلامی کی چکی میں پسے تھے جو غلیظ تھے' جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے' جنہوں نے مسیحی پادریوں سے بائبل کے کچھ مندرجات سنے تھے' جو اسلام کی تاریخ سے بے بہرہ تھے' جو گورے آقاؤں کی رد کردہ خوراک سے اپنے پیٹ بھرتے تھے' جو انسانی رشتوں کے تقدس سے لاتعلق تھے' جو اپنے دکھ درد بھلانے کے لئے ہر شام' سستی منشیات کے جوہڑ میں ڈوب جانا چاہتے تھے یا اخلاقی جرائم کی بناء پر جیلوں میں بند تھے۔

الائیجا کا مشن غلاموں کو سر اٹھا کر چلنے کا اذن دینا تھا' اس نے اسلام کے نام پر سیاہ فاموں کو باوضو اور پاک صاف رہنا سکھایا' نیشن کے ارکان سفید براق قمیض اور جس کے کالر پر سیاہ بو لگی ہوتی تھی اور ڈارک گرے سوٹ زیب تن کرنے لگے سگریٹ شراب اور دوسری منشیات کو ہاتھ نہ لگاتے تھے' غیر منکوحہ جنسی تعلقات کو رد کرتے تھے حلال و حرام میں امتیاز کرتے تھے لین دین میں دیانت اور میل جول میں شائستگی کا ثبوت دیتے تھے اور اقتصادی لحاظ سے خود کفیل ہونے کی سعی کرتے تھے۔ الائیجا نے قید خانوں میں سڑنے والے سیاہ فام انسانوں تک "اسلام" کا پیغام پہنچایا اور کئی چور قطب ہو کر باہر آئے۔ ان میں مالکم ٹل بھی تھا جس نے رہائی کے بعد اپنا آخری نام ٹل جو غلامی کے دور کی یادگار تھا قلم زد کر دیا اور مالکم ایکس کے نام سے نیشن کے کام میں ہاتھ بٹانے لگا۔

الائیجا محمد نے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے اپنے سیاسی نظریات اور مذہبی عقائد پیدا کیے۔ "نیشن" کے جریدہ پراگریس کے جو 70ء کے عشرے کے وسط تک وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا آخری صفحے پر "سیاہ فام مسلمانوں" کے نظریات درج ہوا کرتے تھے۔

بلیک مسلم کیا چاہتے ہیں؟

1۔ ہم مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہونا چاہتے ہیں۔

2۔ ہم بلالحاظ عقیدہ' طبقہ اور رنگ قانون کے سامنے برابری اور انصاف چاہتے ہیں۔3۔ ہم مہذب معاشرے کے بہترین ثمرات میں ساجھے دار ہونا چاہتے ہیں' ہماری خواہش ہے کہ امریکہ میں ہمارے لوگ جن کے آباؤ اجداد غلاموں کی اولاد تھے اپنی الگ ریاست یا اپنا علاقہ قائم کریں' ہمارے خیال میں ہمارے سابق آقاؤں کا فرض ہے کہ وہ ہمیں کوئی زرخیز اور معدنی خطہ ارض دیں اور جب تک ہم خود کفیل نہیں ہو جاتے ہماری ضروریات پوری کریں۔4۔ ہم نے چار سو سال تک سفید فام امریکہ کی ترقی کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا مگر اس کا پھل نہایت تلخ ملا۔5۔ ہم سفید فاموں کے ساتھ امن اور مساوات کی زندگی بسر نہیں کر سکتے اس لئے ہمارا علیحدگی کا مطالبہ جائز ہے۔6۔ ہم وفاقی جیلوں سے مسلمانوں کی رہائی اور نیگرو کہلانے والے لوگوں پر پولیس کے تشدد کا خاتمہ چاہتے ہیں تاوقتیکہ ہمیں اپنی ریاست یا علاقہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔7۔ ہم امریکی قانون کے تحت نہ صرف مساوی انصاف بلکہ روزگار کے یکساں مواقع چاہتے ہیں' جب تک ہمیں مساوی انصاف نہیں ملتا امریکہ کی حکومت کو ہمیں ٹیکسوں سے مستثنیٰ کر دینا چاہیے۔8۔ ہم تعلیم کے مساوی مواقع مگر علیحدہ سکول چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں زنانہ درسگاہوں میں جائیں اور ہمارے طلباء اور طالبات کو ہمارے اپنے استاد اور استانیاں تعلیم و تربیت دیں'9۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بین نسلی شادیوں کی ممانعت اور دین اسلام کی تعلیم بلا روک ٹوک عام کرنے کی سہولت ہونی چاہیے۔

بلیک مسلم کیا مانتے ہیں؟

"ہم ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس کا صحیح نام اللہ ہے۔ ہم قرآن پاک اور اللہ کے تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (واضح رہے کہ یہاں لفظ پرافٹ استعمال کیا گیا ہے جبکہ الائیجا کے لئے میسنجر کا لفظ استعمال ہوا) ہم بائبل کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کتاب میں تحریف کی گئی ہے۔ ہم اس کی تشریح از سرنو چاہتے ہیں تاکہ انسانیت کو اس میں ملائے جانے والے جھوٹ سے بچایا جاسکے۔ ہم اللہ کے پیغمبروں اور ان کے لائے ہوئے صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم مردوں کے جی اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں لیکن جی اٹھنے سے ہماری مراد جسمانی نہیں ذہنی حیات نو ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کو نیگرو کہا جاتا ہے ان کو ذہنی حیات نو کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے وہ اٹھائے جائیں گے۔ مزید بر آں ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے چنیدہ بندے ہیں کیونکہ صحیفوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ گرے پڑے انسانوں کو پسند کرتا ہے۔ فی زمانہ امریکہ کے نیگرو سے زیادہ کسی دوسرے پر یہ تعریف صادق نہیں آتی ہم حق پرست کی حیات نو میں یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا یوم الحساب پر ایمان ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پہلا حساب جیسا کہ اللہ نے انکشاف کیا ہے امریکہ میں ہو گا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تاریخ میں نام نہاد کالے اور نام نہاد گورے امریکیوں کے الگ الگ ہو جانے کا وقت آگیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سیاہ فام کو لفظاً اور معناً آزاد ہونا چاہئے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ آقاؤں کے دیئے ہوئے غلامانہ ناموں سے آزاد ہو جائے۔ ہم ہر کسی کے لئے انصاف کے حامی ہیں۔ خواہ وہ اللہ کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو' دوسروں کی طرح ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بطور انسان مساوی انصاف کے مستحق ہیں۔ ہمیں یہ خوش فہمی ہرگز نہیں کہ آزاد شدہ غلاموں کی حیثیت سے ہم اپنے سابق آقاؤں کے برابر ہو گئے ہیں۔ ہم امریکی شہریوں کی آزادی اور ان کے قوانین کا احترام کرتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہر رنگ و نسل کے شہری کو امریکی معاشرے میں مدغم کرنے کی پیشکش مکاری ہے اور یہ پیشکش ان لوگوں کی جانب سے آئی ہے جو دھوکہ سے سیاہ فام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ چار سو سال تک ان کی آزادی اور عدل و مساوات کے دشمن رہے وہ بیک وقت ان کے دوست ہو گئے ہیں۔ مزید بر آں یہ پیشکش کالے لوگوں کو یہ احساس کرنے سے روکنے کی

کوشش ہے کہ امریکہ کے کالے اور گورے کی علیحدگی کا وقت آپہنچا ہے۔ اگر گورے کالوں کے معاملے میں دیانتدار ہیں تو انہیں کالوں کے ساتھ امریکہ کو تقسیم کرنا چاہئے۔ ہم یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ امریکہ اپنے سب شہریوں کو روزگار مہیا کرنے کے قابل ہو گا۔ دو کروڑ کالے ایسی امید کیونکر رکھ سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے راست باز ہونے کا اعلان کیا ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایسی کسی جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہئے جو انسانوں کی جانیں لیتی ہو۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قوم کو ہمیں جنگ کی آگ میں دھکیلنے کا حق ہے کیونکہ ہمیں ایسی جنگ سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں امریکہ ہمیں مطلوبہ قطعہ زمین دے دے تو ہم اس کے دفاع کے لئے بوقت ضرورت لازماً جنگ کریں گے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ جولائی 1930ء میں آقائے فرد محمد کی ذات میں جلوہ گر ہوا۔ یہ وہ مسیحا ہے جس کا انتظار عرصہ سے مسیحی کر رہے تھے اور یہ وہ مہدی ہے جس کا انتظار مسلمانوں کو تھا۔ مزید بر آں ہمارا ایمان ہے کہ اللہ ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں اور وہ ایک ایسی حکومت قائم کرے گا جس میں ہم سب امن کے ساتھ یکجا رہ سکیں گے"۔

اسلام' ذہن کی غذا سے پر ایک طشت کی طرح ہے جو کوئی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے وہ حسب توفیق اسمیں سے لے لیتا ہے اور اسی تناسب سے فیض پاتا ہے۔ غیر مسلم تحریک کے سیاسی اور مذہبی عقائد میں ارکان دین یعنی شہادت' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ بیشتر مبصرین الائجا محمدؐ کے اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں کہ امریکہ کے کچلے ہوئے سیاہ فام لوگ ابھی ان فرائض کو سمجھنے اور ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اس کے لئے وقت درکار تھا۔

جس وقت الائجا نے اسلام کی قوت سے امریکی سیاہ فاموں کی نجات کی تحریک شروع کی سیاہ فام شہری حقوق اور شہری آزادیوں سے محروم تھے۔ ریل میں ان کے ڈبے یا بوگیاں الگ تھیں' بسوں میں وہ پچھلی نشستوں پر بیٹھتے تھے' پارکوں میں داخلے کی ممانعت تھی' ریستورانوں اور ہوٹلوں میں داخلے پر پابندیاں تھیں' ان کے تعلیمی ادارے الگ تھے۔ ان کی صحت کے انتظامات ناکافی تھے۔ ان کے گلی کوچے الگ تھے۔ یہ شہری حقوق کی تحریکوں کا زمانہ تھا اور ان میں مسیحیت کے علمبردار بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ بلیک مسلم تحریک کے لیڈروں نے شہری حقوق کی مسیحی تحریکوں کے راہنماؤں سے بھی گہرا رابطہ رکھا۔ اس سلسلے میں مالکم ایکس اور مارٹن لوتھر کنگ جونیئر(45) کی تاریخی ملاقاتوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ بالآخر 1954ء میں معاشرتی تقسیم' عدم مساوات اور ترقی کے مواقع تک رنگ دار لوگوں کی نارسائی کے خلاف قوانین نافذ ہوئے لیکن ان قوانین کے نفاذ کی جدوجہد اب بھی جاری تھی اور بلیک مسلم تحریک کو اپنے لوگوں کی اقتصادی فلاح اور روحانی سربلندی کی فکر کرنی تھی۔

الائجا محمد

الائجا محمد نے شہر شہر ٹمپل قائم کئے جو سیاہ فاموں میں اسلام کی جیسا کہ وہ اسے پیش کرتا تھا تبلیغ کے مرکز بن گئے۔ وہ سیاہ فاموں پر زور دیتا رہا کہ تعلیم حاصل کریں ڈاکٹر بنیں، انجینئر بنیں، سائنس دان بنیں، استاد بنیں تاکہ وہ ایک آزاد اور باوقار قوم کا درجہ حاصل کر سکیں۔ اس نے سیاہ فاموں کو صاف ستھرا رہنے اور عمدہ لباس پہننے کی تلقین کی وہ جزئیات پر بھی توجہ دیتا تھا، اس نے ایک ٹائلٹ ایجاد کیا تاکہ مسلمان کاغذ کا استعمال ترک کر کے پانی سے طہارت کر سکیں، سیاہ فاموں میں ناداری کی وجہ سے خنزیر اور گائے کی چربی پائے اور اعضاء کا گوشت کھانے کا رواج تھا۔ الائجا محمد نے حکم دیا کہ وہ مچھلی کھائیں چنانچہ سیاہ فاموں کے گلی کوچوں میں تازہ مچھلی کے کاروبار چالو ہو گئے۔ وہ جس زبان میں تقریر کرتا تھا سامعین اسے سمجھتے تھے اس لئے اس کے بیان میں تاثیر تھی۔ اس نے عربی زبان کو بروئے کار لانے سے احتراز کیا، اپنے پیروکاروں کو مولانا محمد علی جالندھری اور علامہ عبداللہ یوسف علی کے تراجم سے کلام پاک کے مطالعے کی ہدایت کی، اس طرح ان کی تفہیم قرآن برصغیر کے عام مسلمانوں کے مقابلے میں بھی بہتر ہو گئی۔ اس نے سیاہ فاموں کے لئے درسگاہوں، شفاخانوں اور بڑے کاروباروں کے ٹھوس منصوبے پیش کئے۔



----عالیجاہ محمد

مالکم ایکس

ذہنی کایا کلپ اور اٹھان کی اس مہم میں اسے مالکم ایکس جیسے شعلہ بیاں مقرروں اور انتھک تنظیم کاروں کی امداد حاصل تھی مالکم 19 مئی 1925ء کو اوماہا نبراسکا میں پیدا ہوا اس کا باپ ارل لٹل ایک پٹسٹ پادری تھا اور مرقس گاروی کی تحریک میں سرگرم عمل تھا جس کا مقصد سیاہ فاموں کو افریقہ واپس چلنے پر آمادہ کرنا تھا گاروی' لٹل اور بعد کے کئی سیاہ فام لیڈروں کا کہنا تھا کہ کالا آدمی' امریکہ میں حقیقی آزادی' خود اختیاری اور عزت نفس کبھی بھی نہیں پائے گا۔ کو کلکس کلین اور دوسری اساس پرست اور انتہا پسند مسیحی تنظیموں کا خیال تھا کہ یہ لوگ' امریکی سیاہ فاموں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ کلین کے نقاب پوش ٹھگوں نے لٹل کے گھر پر مسلح حملے کئے اس کا گھر جلایا اور بالآخر اسے کاٹ کر ریل کی پٹڑی پر ڈال دیا۔ مسز لٹل پاگل خانے پہنچ گئی اور مالکم سمیت اس کے چار بچے پرورش کے لئے مختلف گھرانوں میں بانٹ دیئے گئے۔

مالکم تیرہ سال کی عمر میں سکول سے بھاگا اور بہت سے سیاہ فام نوجوانوں کی طرح اکیس سال کی عمر میں نقب زنی کے مقدمے میں دس سال قید بامشقت کے لئے جیل پہنچ گیا۔ جیل میں اسے الائیجا محمد کا پیغام ملا' اس نے اسلام کا مطالعہ کیا' امریکی قانون پڑھا' سیاسی تحریکوں کا مطالعہ کیا اور انسانی فکر کے ارتقاء کا جائزہ لیا۔ جیل سے باہر آیا تو وہ ایک نیا انسان تھا اور پھر اس کی زندگی میں وہ دن بھی آیا جب ہارورڈ لاء سکول کے طلباء اور اساتذہ نے اسے شہری حقوق پر لیکچر کے لئے مدعو کیا اور بالائی منزل کے ایک ایسے کمرے میں اس کا استقبال کیا جہاں سے باسٹن کے مضافات کا وہ علاقہ دکھائی دے رہا تھا جہاں اس نے گمراہی کے ایام میں چوریاں اور اخلاقی جرائم کی دوسری وارداتیں کی تھیں۔

1953ء میں "نیشن آف اسلام" میں مالکم ایکس کی آمد سے تحریک کو ڈرامائی بڑھاوا ملا۔ مالکم نے یکے بعد دیگرے کئی شہروں میں نیشن کے نئے ٹمپل قائم کئے' شہری حقوق کی امریکی تحریک کو تقویت دی اور دس سال کے اندر نیشن کو ایک پر زور اور باوقار تنظیم بنا دیا' 1963ء میں صدر کینیڈی (46) کے قتل پر اس کے ایک طنزیہ تبصرے کو پریس میں اچھالا گیا تو خفت میں الائیجا اس سے ناراض ہو گیا اور اگلے سال اسے جماعت سے خارج کر دیا۔

مالکم ایکس کی خودنوشت سوانح عمری (47) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تبصرہ محض ایک بہانہ تھا' الائیجا مالکم کی مقبولیت اور شہرت سے خائف تھا مالکم نے دیکھا تھا کہ الائیجا جن اخلاقی معیاروں کا پرچار کرتا ہے وہ خود ان پر پورا نہیں اترتا۔ قائد تحریک کے ذاتی کردار پر مالکم نے نیشن کے بعض دوسرے لیڈروں سے تبادلہ خیال بھی کیا اور بات صیغہ راز میں نہ رہی اس لئے الائیجا کا مالکم سے برہم ہونا قابل فہم تھا۔ سوانح عمری سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ مالکم کو اپنی عسکریت پسند تنظیم کے لیڈر سے سرتابی کی سزا کا بھی علم تھا' 1965ء میں کئی افریقی اور اسلامی لیڈروں سے ملاقاتوں اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آکر مالکم ایکس نے نیویارک شہر میں اپنی الگ مسجد قائم کی' اس نے سفید فام امریکہ کی اندھی مذمت ترک کر دی' علیحدگی پسندی کو رد کر دیا اور افریقی ایشیائی اتحاد اور اتحاد بین المسلمین پر زور دینے لگا۔ اس نے ملک سے باہر جا کر اسلام کی مبادیات کا مطالعہ کیا تھا اور دیکھا تھا کہ اسلام محض سیاہ فاموں کا مذہب نہیں بلکہ وہ ایک عالمگیر اور بین الاقوامی دین ہے جو رنگ و نسل کے امتیازات پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ نئی معلومات کی روشنی میں اس نے سب سیاہ فاموں کے حقوق کا جھنڈا اونچا رکھتے ہوئے ان کے عقائد کی "تطہیر" کی کوشش کی' مگر 21 فروری 1965ء کو ایک اجتماع سے خطاب کرنا شروع ہی کیا تھا کہ قاتلوں کی گولیوں نے ڈھیر کر دیا۔ مالکم پہلا سیاہ فام مسلم لیڈر تھا جس کی موت پر سیاہ فاموں کے ساتھ ساتھ سفید فاموں نے بھی آنسو بہائے اور مرنے کے بعد اس کا پیغام زیادہ تیزی سے پھیلنے لگا۔ مالکم کے قتل کی بنا پر تین سیاہ فاموں کو لمبی قید کی سزائیں ہوئیں' الائیجا محمد کی "نیشن آف اسلام" سے ان کا تعلق بدیہی تھا۔ مالکم ایکس واحد سیاہ فام امریکی شخصیت ہے جس کی زندگی پر ایک فیچر فلم بنائی گئی ہے۔ اداکار ڈنزل واشنگٹن نے مرکزی کردار ادا کیا اور اسے اکیڈمی ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا۔

مجدد

1975ء میں الائیجا کے انتقال پر "نیشن" نے مرحوم کے صاحبزادے ولیس ڈی محمد (48) کو جو بعد میں وارث دین محمد کہلائے ان کا جانشین چنا وارث ایک پیدائشی "بلیک مسلم" ہیں۔ ان کو امریکہ کے اندر اور باہر عربی زبان اور اسلام کے وسیع مطالعے کا موقع ملا اس لئے وہ مالکم ایکس ہی کی طرح "نیشن" کے عقائد اور اغراض و مقاصد پر شک کرتے تھے۔ مسلمانوں کے کسی گروہ کو محض رنگ کی بناء پر نضیلت دینا' بلیک مسلم کو اصلی اور دوسروں کو نقلی انسان خیال کرنا اور کسی دوسرے رنگ کے آدمی کو دائرہ اسلام میں شمولیت کے نااہل سمجھنا بدیہی طور پر اسلام کی تعلیمات کے منافی تھا اور وارث دین محمد ان متنازعہ فیہ عقائد کا علم اٹھانے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ الائیجا نے 14 جنوری 1972ء کو شکاگو میں اپنی نادر پریس کانفرنس کے دوران ایک بار پھر سفید فاموں کو شیطان کی ذریات گردانا تھا وارث کو یہ تنگ نظری گوارا نہ تھی وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرزمین پر سیاہ فاموں کی ایک آزاد ریاست کے مطالبے کو بھی خام خیالی سمجھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ جس ملک میں سیاہ فاموں کی غالب اکثریت مسیحی عقائد سے وابستہ ہے وہاں ایسی ریاست میں مسلمانوں کا مقام کیا ہو گا۔ لائبیریا کی سیاسی ناکامی اور اقتصادی بدحالی کے پیش نظر وہ سمجھتے تھے کہ سیاہ فاموں کی نجات امریکی نظام کے باہر نہیں اندر ہے۔ وارث کو جو قوم ورثے میں ملی اس کے بیشتر ارکان بدستور نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دوسرے شعائر دینی سے لاتعلق تھے اور فرد محمد کو خدا کا اوتار اور الائیجا محمد کو پیغمبر اور رسول مانتے تھے۔ باپ کی زندگی میں انہیں "نیشن" کے عقائد کو چیلنج کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ وہ مالکم ایکس اور الائیجا کے دعوے کو رد کرنے والے دوسرے ہم وطنوں کا حشر دیکھ چکے تھے اس لئے خاموش رہے تاہم فرقے کی پیشوائی قبول کرتے ہی انہوں نے اصلاح عقائد کا ایک پروگرام شروع کر دیا۔ انہوں نے "مجدد" کا لقب اختیار کیا اور اپنی قوم کو سمجھایا کہ سیاہ فاموں کی برتری کے جو دعوے "نیشن" کے بانیوں نے کئے وہ محض انہیں بیدار اور فعال کرنے کے لئے تھے۔ انہوں نے مسلم کے ساتھ بلیک کا سابقہ ختم کرنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ آئندہ سیاہ فام امریکی مسلمان "بلالی" کہلائیں گے۔ وہ اپنے لوگوں کو عامتہ المسلمین کے مرکزی دھارے میں لانے کے لئے بے تاب تھے۔ بالآخر 23 ستمبر 1978ء کو نیو

آرلینز میں امریکن اکیڈیمی آف ریلیجن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا کہ ان کے والد مرحوم کے مذہبی اور سیاسی نظریات غلط تھے۔

1983ء میں انہوں نے یہ کہہ کر اپنی تنظیم بھی توڑ دی کہ اسلام میں گروہ بندی کی اجازت نہیں انہوں نے تنظیم کے ارکان سے کہا کہ وہ جس مسجد میں چاہیں عبادت کریں۔ وہ خود شکاگو سے کیلیفورنیا منتقل ہو گئے۔

اس سے "نیشن" میں ہلچل مچ گئی۔ جماعت کا ایک گروہ لوئیس فرخان (49) کی قیادت میں الگ ہو گیا اور پارٹی کا پرانا نام "دی نیشن آف اسلام" بھی ساتھ لے گیا۔

دوسرے لوگ جماعتی ڈسپلن سے آزاد ہونے کے باوجود امام وارث کے ساتھ رہے۔

وارث گروپ کی عددی قوت کم ہوئی لیکن "صراط مستقیم" پر آنے سے انہیں تارکین وطن کی جماعتوں کا قرب حاصل ہو گیا۔ سعودی عرب نے امریکی عازمین حج کو تصدیق نامے جاری کرنے کا اختیار وارث دین محمد کو دے دیا اور خلیج کے ملک امریکہ میں تبلیغ کے لئے جو رقوم مہیا کر رہے تھے وارث دین محمد ان کے امین مقرر کئے گئے۔ فرخان گروپ کو تبلیغ کے لئے لیبیا کی جانب سے مالی امداد مل گئی اور اس کے بعد غیر ملکی امداد پانے والی امریکی جماعتوں پر فراخان کی نکتہ چینی ماند پڑ گئی۔ وارث گروپ کو متوسط طبقے میں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی تو فرخان گروپ کو نچلے طبقے اور طلباء میں۔ فرخان نے الائجا محمد کے مذہبی اور سیاسی عقائد کو سینے سے لگائے رکھا نوجوانوں کی ذیلی تنظیم "فروٹ آف اسلام" کو جو "نیشن" کی باوردی عسکری تنظیم ہے اور مضبوط بنایا۔ تنظیم کے جیالے کارکنوں نے بڑے شہروں میں جرائم پیشہ لوگوں کی زد میں رہنے والے گلی کوچوں میں گشت شروع کی۔ پسماندہ محلہ جات کو منشیات اور عصمت کے دھندوں سے پاک کرنے کی زوردار مہمیں چلائیں اور ساری قوم سے داد وصول کی۔

1975ء اور 1983ء کے درمیان پر اسرار فرد محمد کی قائم کردہ جماعت کے نام بدلتے رہے اور اس دوران سیاہ فام امریکیوں میں بھی کئی تبدیلیاں آئیں۔ جو وارث کے ساتھ تھے وہ عامۃ المسلمین میں گھلنے لگے، خود وارث نے اسنا اور اکنا کے سالانہ اجتماعات سے خطاب کیا اور تارکین وطن سے مغلوب ان اسلامی جماعتوں کے ارکان وارث گروپ کی سالانہ کونشن میں حصہ لیتے رہے۔ لوئیس فراخان نے یہود پر حملے کئے اور ملک کی صدارت کے لئے سیاہ فام لیڈر جیسی جیکسن (50) کی ایک مہم کی حمایت کر کے ذرائع ابلاغ کی توجہ حاصل کی۔ صدی کے آخری پانچ سالوں میں ایسا لگتا تھا کہ وارث گروپ ایک روایتی دینی جماعت ہے جو اپنے ارکان اور ان کی اولاد کی روحانی اور اقتصادی ضرورتوں کا خیال کرتی ہے جبکہ فراخان گروپ اپنی سیاسی جارحیت کے بل پر زیر تعلیم سیاہ فام نوجوانوں کو متاثر کر رہا ہے، توسیع پذیر ہے اور امریکہ اس سے تعاون

میں فائدہ دیکھتا ہے۔

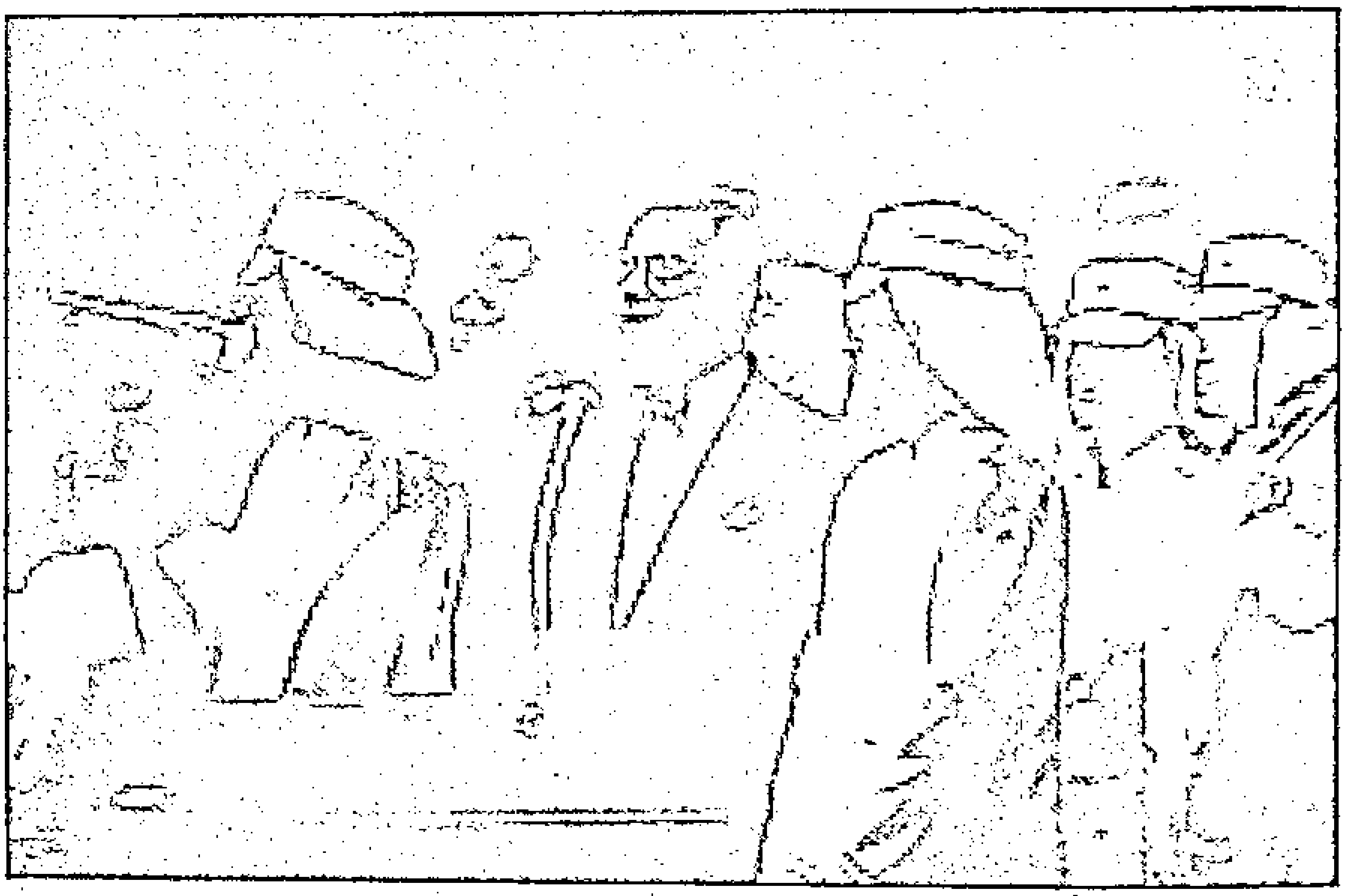
"نیشن" میں فرخان مالکم ایکس کے شاگرد تھے، مالکم کی طرح ان کا رنگ بھی صاف ہے اور وہ مذاہب کے تقابلی مطالعے پر عبور رکھتے ہیں۔ وہ باسٹن میں پیدا ہوئے تھے اور نارتھ کیرولائنا میں کالج کی کچھ تعلیم بھی حاصل کر چکے تھے مالکم کی طرح وہ بھی سامعین کو بہالے جانے والے خطیب ہیں اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ نغمہ ساز اور گلوکار تھے۔

انہوں نے کچھ گیت بھی لکھے ہیں جو سیاہ فاموں میں بہت مقبول ہیں بول کچھ اس طرح ہیں۔ "گورے کی جنت کالے کا جہنم ہے" یا "میری زنجیروں کی طرف دیکھو"۔ الائیجا محمد نے نیشن سے مالکم ایکس کی علیحدگی کے بعد فراخان کو تحریک کا قومی نمائندہ مقرر کیا تھا۔ یہ تحریک میں قائد کے بعد دوسرے نمبر کا منصب تھا'

سولہ اکتوبر 1995ء کو واشنگٹن میں افریقی نسل کے امریکی مردوں کے تاریخی اور عہد ساز اجتماع سے لوئیس فرخان کا تعارف کراتے ہوئے ان کے صاحبزادے مصطفیٰ نے جو کلمہ شہادت پڑھا اس کا لفظی ترجمہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ماسوا اللہ کے جو آقائے فرد محمد کی شکل میں آیا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عزت ماب الائیجا محمد اس کا سچا خادم ہے اور میں مزید یہ شہادت دیتا ہوں کہ منسٹر لوئیس فراخان ہمارے درمیان اس کی مقدس یاددہانی ہیں"۔



....نیویارک سٹی (1985ء) کے میڈیسن سکوائر گارڈن میں لوئیس فراخان محافظین کے دستہ کے ساتھ

سیاہ فاموں کی فرقہ بندی

"نیشن آف اسلام" کا دو گروہوں میں بٹنا افریقی امریکہ کے لئے نقصان دہ تھا اور امریکی عامتہ المسلمین دونوں میں دوبارہ اتحاد کی دعا کرتے تھے۔ الائیجا محمد کے انتقال کے بعد اگست 1983ء میں وارث اور فراخان میں پہلی میٹنگ ہوئی اور اس کے بعد دو اور ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی میٹنگ کے بعد دونوں نے یہ مشترکہ اعلان کیا ہے کہ ہم دونوں مسلمانوں کے تصور کی حفاظت میں حقیقی دلچسپی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے تصور کو روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کے مذہبی عقائد سے کبھی کھلا تعرض نہیں کیا۔ پہلے مشترکہ بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اسلام سے محبت اور برادریوں میں امن برقرار رکھنے کی خاطر وہ آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔ اس میٹنگ میں وارث نے شکاگو میں ایک "ٹمپل" اور ایک سکول کی املاک جو الائیجا محمد نے پیدا کی تھیں فرخان کی جماعت کے ہاتھ فروخت کرنے کی پیشکش کی لیکن وارث کے پیروکاروں نے یہ سودا روک دیا۔

ڈیمو کریٹک ٹکٹ کے لئے جیسی جیکسن کی انتخابی مہم کے عروج کے وقت ذرائع ابلاغ نے الزام لگایا کہ فرخان نے سیاہ فام لیڈر کی حمایت کے جوش میں یہودیت کو غلیظ مذہب کہا اور ایک افریقی امریکی اخبار نویس اور اس کے خاندان کو موت کی دھمکی دی۔ وارث فرخان سے صلاح مشورے کے سمجھوتے کی رو سے نجی طور پر ان سے ان الزامات کے بارے میں استفسارات کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے معاہدہ توڑا اور کھلے بندوں فرخان کو نکتہ چینی کا نشانہ بنایا اس لئے افریقی امریکی مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہوں کے درمیان کشیدگی چلتی رہی۔

12 جنوری 1995ء کو وفاقی پولیس (51) نے مالکم ایکس (مالک شباز) کی بیٹی قبیلہ باحیا شباز (52) کو قتل کی سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ان پر یہ فرد جرم عائد کی گئی کہ انہوں نے لوئیس فرخان کے قتل کے لئے ایک پرانے ہم جماعت کی خدمات حاصل کیں۔ ایف بی آئی نے جس شخص کے بیان کی بنا پر یہ مقدمہ درج کیا وہ بلاشبہ اقوام متحدہ کے بین الاقوامی سکول میں قبیلہ کے ساتھ پڑھتا تھا لیکن سکول چھوڑنے کے بعد وہ اکثر قانون کے بائیں جانب رہا۔ اس نے امریکی یہودیوں کی ایک دہشت پسند تنظیم جیوش ڈیفنس لیگ کی رکنیت اختیار کی لیکن اسے اس کی اپنی برادری بھی ایک جھوٹا آدمی خیال کرتی تھی اور وہ پولیس کا جانا پہچانا مخبر تھا۔ فرخان نے اس کیس پر تبصرہ کرتے

ہوئے کہا کہ قبیلہ کو مقدمے میں پھنسایا گیا ہے اور اس مقدمے کا مقصد افریقی امریکیوں میں جنگ کی آگ بھڑکانا ہے۔ پولیس کے پاس مخبر اور قبیلہ کی بات چیت کا ٹیپ ریکارڈ تھا جسے کوئی عدالت نظرانداز نہیں کر سکتی تھی لیکن شہید کی بیٹی کے خلاف قانونی کارروائی شروع ہونے پر پورا افریقی امریکہ حرکت میں آگیا اور نامور وکلاء مس شباز کے دفاع کے لئے میدان میں آنے لگے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مالکم ایکس کے قتل کے بعد مرحوم کی بیوہ بٹی شباز نے فراخان نے کھلے بندوں شک ظاہر کیا تھا اور قبیلہ بھی انہیں اپنے باپ کے قتل میں ملوث خیال کرتی تھی لیکن فرخان نے الزام کی صحت سے انکار کیا تھا اپریل 1995ء میں سرکاری پروسیکیوٹر اور ملزمہ کے درمیان عدالت سے باہر ایک سمجھوتہ ہو گیا جس کے تحت خاتون نے نفسیاتی مشورت قبول کر لی۔ یہ گویا سازش کے کیس میں نرم ترین سزا تھی۔

"نیشن آف اسلام" نے مالک شباز کی صاحبزادی کے خلاف فوجداری مقدمے کے تصفیے کا جشن منانے کے لئے 8 مئی 1995ء کو نیویارک میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس کا مقصد مقدمے کے سلسلے میں پڑنے والے شباز خاندان پر اخراجات کے بھاری بوجھ کو ہٹانا تھا۔ ٹکٹ پندرہ، پچیس، پچاس اور سو ڈالر تھا۔ ایک ہزار چار سو افراد جمع ہوئے، فرخان نے مسز شباز کا خیر مقدم کیا انہیں بلیک پرنس اور ماں جیسے تکریمی الفاظ سے مخاطب کیا اور اپنے "قول و فعل" کی معافی مانگی تاہم ماضی کی طرح ایک بار پھر انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ مالکم ایکس کے قتل میں "براہ راست" ان کا کوئی حصہ تھا۔

فرخان نے کہا "نیشن آف اسلام کے ارکان مالکم ایکس کے قتل میں ملوث تھے۔ ہم اپنے ماضی سے جیسا کہ وہ تھا انکار نہیں کر سکتے (مگر) ایک دوسرے کو بخش دینا نہ صرف ضروری ہے بلکہ حکم خداوندی بھی۔ اگر ہم ایک دوسرے کو بخش نہیں سکتے تو ہم اس خاک میں مل جائیں گے جس سے ہم ابھرے تھے"۔

مسز شباز نے جوابی تقریر میں فراخان کو مخاطب کرتے ہوئے صرف اتنا کہا "اللہ تعالیٰ آپ کا ذہنی افق وسیع کرے، منسٹر فراخان نے کہا ہے کہ برادر مالکم کے خاندان کی امداد ضروری ہے لیکن ایک عرصے تک تو انہوں نے میرے شوہر کو برادر نہ جانا، اب جس طرح انہوں نے کہا ہے مجھے پسند آیا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میرے شوہر کو برادر مالکم سمجھتے رہیں گے"۔

مالکم ایکس کے خاندان سے لوئس فراخان کی یہ میٹنگ نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ اور ملک کے کئی دوسرے بڑے اخبارات کے لئے پہلے صفحے کی خبر تھی کیونکہ یہ میٹنگ دیرینہ زخموں کے مندمل اور اتحاد بین المسلمین کے آثار ہویدا ہونے کی علامت تھی۔

لوئیس فرخان سیاہ فاموں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنے کی غرض سے امریکی نظام پر حملے

ضروری خیال کرتے ہیں- چنانچہ مسز شباز کو جن کی افریقی امریکیوں میں بڑی عزت ہے مخاطب کرتے ہوئے فرخان نے یہ بھی کہا- "ہم نے ایک دوسرے کو چرکہ لگانے کے لئے جو کچھ بھی کیا ہے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے ہاں ایک کانگرس' ایک سینٹ اور ایک صدر ہے جو سیاہ فام لوگوں کی تباہی کے لئے کام کر رہے ہیں- ہماری کوشش اس منزل کی جانب ایک قدم ہے جو ہماری امید کے مطابق مکمل مصالحت کی منزل ہے"-

ہیئت حاکمہ کو چیلنج کر کے عوام کی توجہ اور اپنے لوگوں کی حمایت حاصل کرنا بلیک لیڈر شپ کی دیرینہ روایت ہے جس سے لوئیس فرخان نے بھی پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی- 1996ء میں ان کے لیبیا' سوڈان' اور ایران کے دورے اس روایت کے عین مطابق تھے- اس زمانے میں دنیائے اسلام کے یہی تین ملک ایسے تھے جن کے ساتھ واشنگٹن کے تعلقات مختلف وجوہات کی بنا پر غیر دوستانہ تھے- لوئیس فرخان کو معلوم تھا کہ ان کا سفر اپنے وطن میں بحث و نزاع کی بنیاد بنے گا لیکن انہیں یہ اطمینان تھا کہ انتظامیہ کسی امریکی شہری کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تاوقتیکہ وہ نظر بظاہر کسی جرم کا مرتکب نہ ہو-

ملین مین مارچ

1995ء میں لوئیس فرخان نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ واحد امریکی لیڈر ہیں جو افریقی نسل کے تمام امریکیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ملک بھر کے افریقی امریکی مردوں سے اپیل کی کہ وہ پیر وار سولہ اکتوبر کو سب کام کاج چھوڑ کر دس لاکھ کی تعداد میں واشنگٹن پر یلغار کریں اور یہ تاثر ہمیشہ کے لئے زائل کر دیں کہ وہ نشہ خور، کام چور، تشدد پسند اور گھر کی عورتوں اور بچوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔ انہوں نے سولہ اکتوبر کو توبہ و تجدید کا دن قرار دیا۔ یکے بعد دیگرے کانگرس میں سیاہ فام قانون سازوں کے گروپ (53) اور غیر مسلم سیاہ فاموں کی بہت سی تنظیموں نے فرخان کی اپیل کی تائید کر دی اور یوم تجدید پر ملک کی پچاس ریاستوں اور دوسرے علاقوں سے لاکھوں سیاہ فام مرد ہوائی جہازوں، ریلوں، بسوں اور ذاتی گاڑیوں میں سینکڑوں ہزاروں میلوں کی مسافتیں طے کرتے ہوئے قومی دارالحکومت میں آ پہنچے۔ دوپہر تک ایوان کانگرس سے لے کر وائٹ ہاؤس کے عقب تک کوئی چار فرلانگ چوڑے اور دو میل لمبے کھلے علاقے میں تقریباً دس لاکھ مرد جمع ہو چکے تھے۔ امریکہ کی تاریخ میں شہریوں کا اتنا بڑا اجتماع پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ تحریک، ترغیب اور تنظیم کا شاہکار تھا، اگرچہ حاضرین میں غالب اکثریت غیر مسلموں کی تھی اور وہ ایک سیکولر اپیل پر لبیک کہتے ہوئے یکجا ہوئے تھے لیکن فرخان نے ان سے خطاب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا۔ وہ نوجوانی میں ایک پیشہ ور گلوکار تھے۔ خوبصورت اور متین آواز میں سورۃ فاتحہ پڑھی تو اتنے بڑے مجمعے پر سکوت طاری ہو گیا اور جب ترجمہ سنایا تو لاکھوں چہروں پر غور و فکر کے تاثرات ابھرے، اس لئے کہ وہ سب آج سیدھی راہ کی تلاش میں گھروں سے نکلے تھے اور ان لوگوں سے الگ ہونا چاہتے تھے جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

فرخان نے ڈھائی گھنٹے تک اجتماع سے خطاب کیا۔ جو ملک بھر میں ٹیلی ویژن پر دیکھا جا سکتا تھا یہ سیاہ فام امریکیوں کو مسلمان کرنے کی براہ راست کوشش نہیں تھی انہیں اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی سعی تھی، فرخان نے بائبل کے احکامات کے پس منظر میں امریکہ کی تاریخ، سیاست، معیشت اور معاشرت کا ایک بھرپور تجزیہ کیا اور بالآخر دس لاکھ مردوں سے کہا کہ وہ کھڑے ہو جائیں، اپنے نام کا اعلان کریں، اور سینے پر ہاتھ رکھ کر اور خدا کو حاضر و ناظر جان

کر یہ عہد کریں کہ کسی دوسرے افریقی امریکی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے' اپنی بیویوں اور بچوں سے عمدہ سلوک کریں گے اور ان کی طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داریاں پوری کریں گے' منشی اشیاء کے قریب نہیں پھٹکیں گے اور جرائم پیشہ رشتے داروں اور دوستوں کو راہ راست پر لائیں گے۔ جلسہ اللہ اکبر کی صداؤں کے ساتھ ختم ہوا اور لوگ ایک نئی تحریک کے علمبردار بن کر امن و سکون سے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

"ملین مین مارچ" کی کامیابی کے ساتھ لوئیس فراخان کے سیاسی قد میں زبردست اضافہ ہوا اور مختلف سیاسی حلقے ان کے ساتھ رابطے کی خواہش کرنے لگے۔ واشنگٹن میں امریکن مسلم کونسل نے جو ہر مسلک کے امریکی مسلمانوں کو ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے کوشاں ہے ان سے گفت و شنید کے لئے ایک اعلیٰ سطحی وفد شکاگو بھیجا۔ یہ وفد کونسل کے صدر ڈاکٹر ایم اے چیمہ نائب صدر مجاہد رمضان' ایگزیکٹو ڈائریکٹر عبد الرحمان العمودی' پروفیسر علی اے مزروئی اور پروفیسر سلیمان نایانگ پر مشتمل تھا لیکن وفد نے مصلحتاً فراخان کے ساتھ میٹنگ سے ایک دن پہلے امام اہل سنت وارث دین محمد سے ملاقات کی اور امریکہ میں اشاعت اسلام کے کام میں ان کے حصے کی داد دی۔ کونسل کے خبرنامے کے مطابق دونوں جانب سے اس بات پر اتفاق تھا کہ مسلمانوں کو امریکی معاشرے میں ایک اہم کردار ادا کرنا ہے اور یہ کہ ان کے لیڈروں کو مختلف کمیونیٹیز (جماعتوں) کے مابین پل تعمیر کرنے کے لئے مل جل کر کام کرنا چاہئے۔ دونوں جانب سے ہم وطن امریکیوں کے مفاد کے فروغ کی خاطر سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینے اور دوسری "اخلاقی قوتوں" سے مل کر کام کرنے کی ضرورت پر بھی اتفاق کا اظہار کیا گیا۔ جو قومی معاملات زیر بحث آئے ان میں صحت عامہ' پسماندہ طبقوں کی امداد' رائے دہندگان کی رجسٹریشن اور ہم خیال حلقوں کے ساتھ اشتراک عمل شامل تھے۔ وفد نے ملک کے مختلف حصوں میں کونسل کی شاخوں کے قیام میں امام سے امداد کی درخواست کی۔ امام نے وعدہ کیا کہ وہ ملک بھر میں اپنی "منسٹری" یعنی جماعت کی مساجد کو ووٹر رجسٹریشن اور مسلمانوں کی خصوصی دلچسپی کے دوسرے معاملات میں "امیگرینٹ" یا آباد کار مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل کی ہدایت کریں گے۔

فرقہ "نیشن آف اسلام" کے لیڈر "منسٹر" لوئیس فراخان سے وفد کی میٹنگ کا احوال ڈاکٹر چیمہ نے خود لکھا ہے۔ "یہ میٹنگ منسٹر فراخان کی خواہش پر ہوئی جو مارچ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر بنجمن شیوس جونیئر نے کونسل تک پہنچائی تھی۔ اس میں متعدد معاملات پر تبادلہ خیالات ہوا جن میں دونوں تنظیموں کے سیاسی پروگراموں کی تکمیل کے سلسلے میں آبادی کے دوسرے گروہوں اور اقلیتوں سے اشتراک عمل شامل تھا۔ ڈاکٹر چیمہ نے مارچ کی کامیابی پر مبارک باد پیش کی اور خود انحصاری' تعلیم' انفرادی اقتصادی پیش قدمی اور کنبے کا ڈھانچہ مضبوط بنانے کے لئے ان کی

کوششوں کی تعریف کی۔

"مسٹر فراخان نے اسلام کی اس (متنازعہ فیہ) تشریح کی بات چھیڑتے ہوئے جو انہوں نے کی ہے علمائے دین کے ایک گروپ سے ملاقات میں دلچسپی ظاہر کی تاکہ وجوہات کی وضاحت کر سکیں کہ وہ بعض چیزیں دوسرے مسلمانوں سے مختلف انداز میں کیوں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر چیمہ نے جواب میں کہا کہ اے ایم سی اسلامی فقہ پر بحث کرنے والی تنظیم نہیں ہے اور یہ کہ ان کے خیال میں وفد کا کوئی بھی رکن ایسا عالم دین نہیں جو ان مباحث میں حصہ لینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ اگرچہ "نیشن" کے لیڈر نے بعد کی گفتگو میں بھی اسلام کی ذاتی تشریح اور تفہیم شامل کی لیکن بات چیت عام طور پر سیاسی مسائل پر مرکوز رہی۔

"مسٹر فراخان نے نیشن کی تاریخ کے کچھ اہم واقعات کا ذکر کیا اور الائیجا محمد مرحوم کے استاد فرد محمد کی شناخت کی طرف بھی اشارہ کیا۔ انہوں نے فرد کے پر اسرار ظہور اور غائب ہونے اور ان کی نسلیت پر بھی کچھ روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر مزروئی اور ڈاکٹر نایانگ دونوں نے ان کی گفتگو کے نوٹ لئے جو ہو سکتا ہے کہ ان کے آئندہ مضامین میں منعکس ہوں۔ میٹنگ بلاشبہ اس لحاظ سے تاریخی تھی کہ اس نے دونوں گروپوں کو یکجا کر دیا جس سے شاید عالمانہ مواد کی تیاری میں مدد ملے۔

"مسٹر فراخان نے ایک تیسری قوت کے قیام کے اس تصور کی وضاحت کی جو انہوں نے ملین مین مارچ کے اجتماع میں پیش کیا تھا اور اس سلسلے میں اے ایم سی کے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ فریقین میں طے پایا کہ متنوع اور مختلف نسلوں سے متعلق اور مختلف مذاہب (عقائد) کے علمبردار لوگوں کی تشویشوں کی تفہیم کے ذریعے ان کے درمیان پل تعمیر کرنا اور ایسے پلوں کو مضبوط بنانا ممکن ہے۔ اقلیتوں کی ایک مستحکم قوت صرف اسی صورت میں پیدا کی جا سکتی ہے جب اقلیتی گروپوں کے درمیان بیگانگت کی دیواریں گرا کر ان کے مابین سچی افہام و تفہیم حاصل کی جائے۔

"نیشن آف اسلام کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے فراخان نے اپنے استاد الائیجا محمد سے اپنے تعلقات کا تذکرہ کیا اور 1975ء میں ان کی وفات کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے مرحوم کے فرزند وارث دین محمد کا ذکر بڑی تکریم و توقیر سے کیا اور ان کے اسلوب زندگی کی سادگی، ان کے خلوص اور اپنی تحریک سے ان کے لگاؤ کی تعریف کی۔ مسٹر فراخان نے از خود اپنے طرز زندگی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اپنی جماعت کے لیڈر کی حیثیت سے ان کا خوش لباس رہنا اور بیش قیمت موٹر کاروں میں سفر کرنا جائز ہے۔

"اسی سیاق و سباق میں انہوں نے الحاج ملک شباز (مالکم ایکس) سے اپنی گفتگوؤں کا ذکر کیا جنہیں الائیجا محمد نے نیشن آف اسلام کا ترجمان مقرر کیا تھا۔ فریضہ حج ادا کرنے اور بین الاقوامی

مسلم قیادت سے ملاقاتوں کے بعد وہ نیشن سے الگ ہو گئے اور مسلمانوں کے مرکزی دھارے میں آ گئے۔ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں اسلام کے نیشن برانڈ سے بیزاری کا اظہار کیا تھا اور بعض لوگوں کے خیال میں یہ بات جان لیوا ثابت ہوئی"۔

فروری 1995ء میں جب وارث دین محمد سعودی عرب میں روزے رکھ رہے تھے اور عبادت کر رہے تھے لوئیس فراخان نے اپنی جماعت کے تیس آدمیوں کے ہمراہ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے بیس ملکوں کا طوفانی دورہ کیا۔ ان میں عراق' لیبیا' سوڈان اور ایران بھی شامل تھے ان دنوں ان ملکوں کے ساتھ امریکہ کے تعلقات مختلف وجوہات کی بنا پر کشیدہ تھے مگر فراخان نے ان میں سے ہر ملک میں بین الاقوامی مسائل کی بحث پر امریکی حکومت کا موقف دہرانے کی بجائے میزبان ملک کے موقف کی تائید کی۔ انہوں نے صدام حسین' معمر قذافی اور کئی دوسرے سربراہوں سے ملاقاتیں کیں۔ بیرون ملک ان کی سرگرمیوں کی خبریں اور تصویریں نیویارک ٹائمز واشنگٹن پوسٹ اور دوسرے بڑے امریکی اخبارات میں چھپتی رہیں۔

مثلاً انہی خبروں کے مطابق عراق میں انہوں نے اقوام متحدہ کی عائد کردہ تعزیروں کے سائے میں رہنے والے عراقیوں کا موازنہ نازیوں کے قائم کردہ کیمپوں میں قتل عام کے لئے جمع کئے جانے والے یہودیوں سے کیا۔ لیبیا میں انہوں نے امریکہ اور برطانیہ کے اس موقف کو جھٹلانے کی کوشش کی کہ 1988ء میں لاکربی سکاٹ لینڈ میں پین ایم کے مسافر بردار طیارے کو فضاء میں بم سے اڑانے کی واردات میں لیبیا کا ہاتھ تھا۔ ایران میں امریکہ کو شیطان الرجیم کہہ کر اس کی مذمت کی اور یہ پیش گوئی کی کہ خدا امریکہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں غارت کر دے گا۔ "یہ ایک ایسی عزت ہے جو خدا جاپان یا یورپ کو نہیں دے گا"۔ انہوں نے یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا کہ ایسی باتیں کرنے کی پاداش میں شاید وطن واپسی پر انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جہاں نابینا مصری شیخ عمر عبدالرحمٰن قید ہیں اور یہ کہ وہ دونوں مل کر قرآن پاک کی تلاوت کیا کریں گے اور ایک دوسرے کی دلجوئی بھی۔ نائیجیریا میں انہوں نے فوجی حکومت کی حمایت کی۔ ماحول کے پاسدار اہل قلم کن سارو ویوا کے پھانسی پانے پر بیرونی ملکوں کی نکتہ چینی کو رد کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ وہ کہتے ہیں آپ نے ویوا کو پھانسی دے دی۔ پھر کیا۔ ان سے پوچھا جائے آپ نے کتنے لوگوں کو پھانسی دی ہے؟

فراخان کے بیانات پر سرکاری اور غیر سرکاری رد عمل ناگزیر طور پر شدید تھا۔ محکمہ خارجہ نے "آمروں کے شانہ بشانہ اکڑ کر چلنے" پر مسلم لیڈر کی مذمت کی۔ فراخان چونکہ ایسے ملکوں میں بھی گئے تھے جہاں جانا محکمہ خارجہ کی اجازت کے بغیر منع تھا اس لئے امیگریشن کے حکام نے کہا کہ فراخان کی واپسی پر ان کے پاسپورٹ پر داخلے اور اخراج کے اندراجات دیکھے جائیں گے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ انہوں نے کہیں قانون کی خلاف ورزی تو نہیں کی۔ ایک سرکاری افسر نے

کہا کہ اگر فراخان نے لیبیا کی ایک ارب ڈالر کی امداد کی مبینہ پیشکش قبول کی تو انہیں قانون کے مطابق اپنے آپ کو لیبیا کے ایجنٹ کی حیثیت سے رجسٹر کرانا ہو گا۔ کانگرس کے کچھ سیاہ فام ارکان اور بعض بلیک مسیحی لیڈروں نے فراخان کے دورے پر ہلکی ہلکی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ان کے بیانات سے دنیا کے سیاہ فاموں کے مابین افہام و تفہیم کے فروغ کا نصب العین حاصل نہیں ہوا۔ کچھ اور نکتہ چینوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ کلنٹن ایڈمنسٹریشن فراخان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے کئی بار سوچے گی کیونکہ "ملین مین مارچ" کے بعد مسلم لیڈر کا سیاسی قد بہت اونچا ہو چکا ہے اور کلنٹن کو سیاہ فاموں کے ووٹوں کی اشد ضرورت ہے۔ فراخان کی واپسی مغربی ساحل سے ہوئی۔ امیگریشن کے ایک افسر نے کہا' امریکی شہری کو وطن واپس آنے کے لئے صرف امریکی پاسپورٹ درکار ہے جو ان کے پاس تھا۔

فراخان نے واپسی پر اپنا معروف جارحانہ انداز برقرار رکھا۔ یونیورسٹی آف الی نائے شکاگو میں بارہ ہزار مداحوں کے ایک پرجوش اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بولے' امریکی حکومت میں ہمت ہے تو مجھے لیبیا کی امداد قبول کرنے سے روک کر دکھائے میں ان لوگوں سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہوں جو مجھے "خلاف قانون" قوم سے میل جول کی سزا دینا چاہتے ہیں۔ کانگرس میں اپنی طلبی کی تجویزوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا اگر مجھے شہادت کے لئے بلایا جاتا ہے تو میں ان قانون سازوں کو بے نقاب کروں گا جو اسرائیلی کینسٹ (پارلیمنٹ) کے اعزازی رکن ہیں۔ انہوں نے کہا میں امریکہ کی خارجہ پالیسی کی ترجیحات پر بھی اعتراض کروں گا۔ "آپ ہر سال ٹیکس گزاروں کے چار تا چھ بلین ڈالر اسرائیل کو دے دیتے ہیں آپ ان سے پوچھ کر ایسا کرتے ہیں؟ آپ کس کے ایجنٹ ہیں؟

"نیشن آف اسلام" نے 1985ء میں اپنے ارکان کو روزگار فراہم کرنے کی غرض سے ایک کاروبار کا آغاز کرنے کے لئے لیبیا سے پانچ ملین ڈالر ادھار لئے تھے۔ فراخان نے کہا کہ اب وہ لیبیا کی امداد سے گھر سکول اور فیکٹریاں بنائیں گے اور امریکی حکومت سے کہیں گے کہ وہ بھی اتنی رقم ان رفاہی کاموں کے لئے مہیا کرے۔ اس تقریر میں انہوں نے ایک بار پھر اس الزام کا مضحکہ اڑایا کہ پین ایم کا طیارہ قذافی نے تباہ کرایا تھا۔ "شروع کے دو سال تو آپ شام کو اس کارروائی کا ذمہ دار قرار دیتے رہے۔ اس کا کیا ہوا؟"۔ ایران سے آنے والی خبروں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا میں نے امریکہ کو شیطان الرجیم نہیں کہا تھا لیکن اگر آپ پوچھتے ہیں تو ...."

حنفی تحریک کاانجام

الائجا ما لکم ایکس کے بعد بھی الائجا محمد کے جو پیرو کار امریکہ کے اندر اور باہر ایشیائی مسلمانوں سے ملے ان پر انکشاف ہوا کہ ان کو جو کچھ بتایا گیا ہے وہ مکمل اسلام نہیں ہے۔ ان میں جو ایمان کے کمزور تھے وہ خاموش رہے جو مضبوط تھے وہ نہ صرف "نیشن" سے الگ ہونے لگے بلکہ انہوں نے الائجا محمد کی سیادت اور قیادت کو بھی چیلنج کیا جو تنظیم کاری کے اس دور میں ناقابل قبول تھا چنانچہ بہت سے "باغی" "مسلمان" "غدار" قرار دیئے گئے اور ان کا انجام بھی ما لکم ایکس جیسا ہوا۔

حماص عبد الخالص کے خاندان کا صفایا شاید "نیشن" کی تاریخ کا انتہائی سیاہ باب تصور کیا جائے گا خالص نے نیویارک میں اقوام متحدہ سے وابستہ ایک پاکستانی سے اسلام کی آفاقیت' ارکان دین اور فقہ حنفی کی تعلیم حاصل کی اور نیشن سے قطع تعلق کر کے واشنگٹن آگیا۔ اس کا گھر ایک مسجد بھی تھا اور نوزائیدہ جماعت حزب الاحناف کا دفتر بھی' یہ عمارت خریدنے میں کریم عبد الجبار نے اسکی امداد کی تھی جو پیشہ ورانہ باسکٹ بال میں کروڑوں ڈالر کما چکا ہے اور امریکہ کے اندر اس کی شہرت ویسی ہی ہے جیسی کہ باکسنگ کے چیمپئن محمد علی کی'

1972ء میں دن دیہاڑے خالص کے گھر پر حملہ ہوا۔ وہ گھر پر نہیں تھا' حملہ آوروں نے خاندان کے سات افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا اور فرار ہو گئے۔ اس سلسلے میں الائجا محمد کی "نیشن آف اسلام" کے پانچ آدمی گرفتار کیے گئے۔ اس قاتلانہ حملے سے خالص کے گھرانے کے دو افراد بچ رہے تھے۔ ان میں سے ایک خالص کی چوبیس سالہ بیٹی امینہ تھی۔

عدالت میں سر سے پاؤں تک سبز لبادے میں ملبوس امینہ نے ملزموں کو طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جونہی یہ لوگ اندر آئے میں سمجھ گئی کہ الائجا پول کے گردن مار ہیں" امینہ نے نیشن کے لیڈر کو حقارت سے اس کے پیدائشی نام سے یاد کیا۔ پھر اس نے ملزموں میں سے اکتیس سالہ جان کلارک کو شناخت کرتے ہوئے کہا۔ یہ وہ آدمی ہے جس نے اپنے ساتھی کو حکم دیا تھا کہ میری گود سے میری چودہ ماہ کی بچی کو اٹھا کر دوسری منزل پر لے جائے اور غسل خانے کے ٹب میں ڈبو کر ختم کر دے اور پھر ملزم جان گرفن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی "اور یہ ہے وہ آدمی جس نے حکم کی تعمیل کی تھی"۔

حماس عبدالخالص نے اس سانحہ سے کچھ عرصہ پہلے ملک بھر میں بلیک مسلم تنظیم کے مبلغوں کو جو مسیحیت کی زبان میں منسٹر کہلاتے تھے خط لکھے تھے جن میں کہا گیا تھا کہ ان کا لیڈر اسلام کی راہ پر نہیں بلکہ وہ ایک فریب کار' جھوٹا اور اخلاق باختہ شخص ہے۔

امینہ نے سکوت میں ڈوبی ہوئی عدالت کو بتایا۔ (حملہ آوروں کے گروہ کے سرغنے) کلارک نے مجھ سے درشت لہجے میں پوچھا۔ تمہارے باپ نے ایسے خط کیوں لکھے اس نے آنریبل الائجا محمد کو ایسے خط کیوں تحریر کئے ؟؟؟ میں نے جواب دیا۔ میرے باپ کو معلوم ہے کہ کیا چیز بہترین ہے۔ اس پر کلارک نے یہ کہہ کر مجھ پر ایک گولی چلائی کہ "تمہارے لئے پھر یہ بہترین ہے"۔ امینہ نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ایسا لگا کہ گولی مجھے لگ گئی ہے اور میں مر رہی ہوں' تھوڑی دیر کے بعد کوریڈور میں مجھے اپنے دس سالہ بھائی رحمٰن کی چیخیں سنائی دیں۔ قاتلوں نے اس پر دو گولیاں چلائی تھیں۔ میں نیم مردہ پڑی تھی' چند لمحوں کے بعد میں نے ایک ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا اور کسی کو یہ کہتے سنا۔ بدبخت یہ ابھی سانس لے رہی ہے۔ ایک آدمی ریوالور میرے سر تک لایا اور اس نے ٹرگر کھینچا' بار بار کھینچا' یہاں تک کہ پانچویں اور چھٹی دفعہ گولیاں چلیں اور ایسا لگا جیسے میرا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔ تب میں نے گھر کے باہر ایک موٹر کار رکنے کی آواز سنی اور میں نے سوچا کہ میرا بھائی جو ماں کے ساتھ سودا سلف لینے باہر گیا تھا واپس آ گیا ہے۔ چند لمحوں کے بعد میں نے دوسری منزل پر اپنے باپ کے بیڈروم میں گولیاں چلنے کی آواز سنی۔ پندرہ منٹ کے اندر ہمارا گھر قبرستان میں تبدیل ہو چکا تھا' میں لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی' دیکھا کہ میرا بھائی نور باپ کے بستر پر بے جان پڑا ہے میں اپنے چہرے پر بہنے والے خون کو پونچھتی ہوئی اپنی بہن کے کمرے میں گئی تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکی تھی تیسری منزل پر نماز کے کمرے میں میں نے اپنے بھائی داؤد کو خون میں لت پت پایا۔ داؤد پاکستان کو اسلام کا گہوارہ خیال کرتا تھا کالج میں اس نے برصغیر میں اسلام کے ارتقاء کا ایک کورس لے رکھا تھا اور ایک لینگویج انسٹی ٹیوٹ میں اردو اور بنگالی سیکھ رہا تھا۔ دین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے وہ پاکستان جانے کا عزم رکھتا تھا۔

خالص کے خاندان کے قتل عام کے مقدمے میں پانچ ملزموں کو طویل قید کی سزائیں ہو گئیں۔

خالص اپنے آپ میں نہیں تھا۔

دو سال بعد بدھ کے روز جب امریکی دارالحکومت میں تمام کاروبار معمول کے مطابق جاری تھے اور لوگ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کام دھندے میں دوبارہ جت گئے تھے بلدیہ کی مرکزی عمارت میں گولیاں چلیں' یہ دفتر میں موجود لوگوں کو یرغمال میں لینے کی کارروائی تھی جس میں ایک مقامی ریڈیو سٹیشن کا رپورٹر بے خبری میں مارا گیا اور ایک سیاہ فام کونسلر زخمی ہوا۔ عین اسی وقت بلدیہ سے کوئی پون میل دور شہر کے وسط میں یہود کی قدیم تنظیم (54) کی کئی

منزلہ عمارت پر خود حماس عبد الخالص اور ان کے پانچ مسلح ساتھی قابض ہو چکے تھے تقریباً ایک سو افراد ان کے یرغمال میں تھے اور چند فرلانگ آگے اسلامک سنٹر کے دفتر میں ان کے کچھ اور ساتھیوں کا غلبہ تھا اور وہاں امام مسجد ڈاکٹر محمد عبد الرؤف سمیت کوئی ایک درجن افراد یرغمال میں تھے۔

مقامی حکام بڑی جدوجہد کے بعد شام تک خالص کے ساتھ ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے تو اس نے مطالبہ کیا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم میسنجر آف گاڈ" کے نام سے آج نیویارک میں جس فیچر فلم کی نمائش شروع ہونے والی ہے اسے روکا جائے' میرے بچوں کے قاتلوں کو میرے سامنے لایا جائے مجھے اپنے خاندان کے قتل کے مقدمے کی سماعت کے دوران (توہین عدالت کی بنا پر) جو جرمانہ کیا گیا واپس کیا جائے گا اور والس محمد (وارث دین محمد) اور محمد علی کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ دونوں اصحاب شکاگو سے بلا تاخیر واشنگٹن آ پہنچے لیکن خالص سے ان کی مڈبھیڑ کی نوبت نہ آئی۔

چونکہ سزا یافتہ قیدیوں کو خالص کے سامنے لانا قانونی اعتبار سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے مقامی حکام نے دفتر خارجہ کے توسط سے اسلامی ملکوں کے سفیروں سے درخواست کی کہ وہ اسے رام کرنے میں امداد کریں۔

اس پر پاکستان کے صاحبزادہ یعقوب خاں ایران کے اردشیر زاہدی اور مصر کے اشرف غوربال تعاون پر آمادہ ہو گئے۔ صاحبزادہ یعقوب خاں نے ٹیلیفون پر خالص سے رابطہ قائم کیا اور اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارا دین ذاتی انتقام کی اجازت نہیں دیتا۔ خالص بہت برہم تھا اس نے پاکستانی سفیر کو جواب دیا کہ وہ اسے اسلام سکھانے کی کوشش نہ کریں' وہ ان سے زیادہ اسلام جانتا ہے۔ جنرل یعقوب خان نے ہمت نہ ہاری اور وقفوں سے خالص کو فون کرتے رہے۔ اس دوران خالص نے کہا کہ جنگ میں خون کا بدلہ خون ہے اور سفیر نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس وقت وہ جس حالت میں ہے وہ جنگ نہیں ہے فون پر ان رابطوں کے نتیجے میں صاحبزادہ یعقوب خان نے خالص کو رضامند کر لیا کہ وہ پاکستان ایران اور مصر کے سفیروں کو ملاقات کا موقع دے۔

تینوں سفیر دلائل سے مسلح ہو کر عمارت میں گئے۔ یہ بلاشبہ پر خطر کام تھا۔ ڈاکٹر زاہدی نے قرآن پاک کی ایک ایسی جلد اٹھا رکھی تھی جس میں مائدہ' نساء اور ایسی دوسری سورتوں پر نشان رکھے ہوئے تھے جن میں رحم و کرم پر زور دیا گیا ہے۔ واشنگٹن ڈی سی کے سیاہ فام میئر والٹر واشنگٹن اور دارالحکومت کی پولیس کے سربراہ بھی غیر مسلح حالت میں ان کے ساتھ تھے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد اسلامی ملکوں کے سفیر خالص کو تینوں عمارتوں کا قبضہ چھوڑنے اور 124 یرغمالیوں کی رہائی

پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور 39 گھنٹے بعد صبح دو بجے یہ ہولناک ڈرامہ ختم ہوا۔ مسلح آدمیوں نے تینوں عمارتوں کا قبضہ چھوڑ دیا۔ غالباً مذاکرات میں طے پانے والے سمجھوتے کے مطابق پولیس نے خالص اور اس کے تین ساتھیوں کو فوری طور پر گرفتار نہ کیا لیکن چھ دوسرے حملہ آوروں کو حراست میں لے لیا۔

حماس عبد الخالص کے دو مطالبے پورے کر دیئے گئے۔ نیویارک میں ظہور اسلام پر فلم کی جو نمائش ہونے والی تھی وہ عارضی طور پر رک گئی اور جرمانے کی رقم اسے واپس کر دی گئی جو صرف سات سو ڈالر تھی۔ اس واقعہ کے دو دن بعد نیویارک اور کیلیفورنیا میں فلم کی نمائش شروع ہو گئی' اسلامک سنٹر' نیشن آف اسلام یا بلالی تنظیم' اسلامک پارٹی آف نارتھ امریکہ اور امریکی مسلمانوں کی کئی دوسری تنظیموں کو فلم پر کوئی اعتراض نہ تھا اور وہ اس حقیقت سے مطمئن تھے کہ عرب فلمساز ہدایتکار مصطفےٰ عقاد کے سکرین پلے کا ایک ایک صفحہ علمائے ازہر نے پیشگی دیکھ لیا تھا اور اس کی صحت کی تصدیق کر دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ صدر محمد ضیاء الحق مرحوم پاکستان میں اس فلم کی نمائش کے حق میں تھے لیکن وہ اپنے علماء کو فلم کی افادیت کا قائل نہ کر سکے۔

واشنگٹن کی تین اہم عمارتوں پر مسلح حنفیوں کے قبضے کے دوران شہری زندگی مفلوج رہی۔ حنفی ہلاکت خیز خود کار ہتھیاروں اور بموں سے مسلح تھے۔ حفاظتی تدابیر کے تحت کئی سڑکیں ٹریفک کے لئے بند رہیں۔ ان میں میساچوسٹس ایونیو بھی شامل تھی جس پر اسلامک سنٹر' پاکستانی سفارت خانہ اور بیشتر دوسرے ملکوں کے سفارتی دفاتر ہیں۔ مقامی حکام نے صورت حال سے نپٹنے میں بڑی سوجھ بوجھ اور تحمل کا ثبوت دیا۔ حماس عبد الخالص تعلیم یافتہ متین طبع اور مضبوط کردار کا آدمی تھا اور متعلقہ حکام کو معلوم تھا کہ اس کی کارروائی کوئی مذاق نہیں۔ ذرا سی لغزش سے سینکڑوں جانیں تلف ہو سکتی تھیں۔ صاحبزادہ یعقوب خاں نے ٹیلیفون پر خالص کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اکیلے اس کے پاس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن مقامی حکام کے اصرار پر انہیں دوسرے دو سفیروں اور سرکاری عہدیداروں کو ساتھ لے جانا پڑا۔ سفیروں کو زیر یرغمال عمارت میں داخل ہونے کا خطرہ مول لینے کی اجازت خود صدر جمی کارٹر نے کافی غور و فکر کے بعد دی تھی۔ حماس عبد الخالص اور ان کے نو ساتھیوں کے خلاف "مسلح اغواء" کا مقدمہ چلا اور انہیں طویل قید کی سزائیں ہو گئیں۔ یہ بظاہر امریکہ میں "حنفی تحریک" کا انجام تھا۔ مگر اسے حنفی مسلک کا انجام نہ سمجھا جائے جو بدستور امریکی مسلمانوں کی بھاری اکثریت کا مذہب ہے۔

کھیل کے میدان میں

افریقی نسل کے امریکی شہریوں نے نسلی تفریق و امتیاز کے باوجود صدی کے نصف دوم میں زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقی کی۔ جنوری 1992ء میں ان میں سے 338 میئر دو گورنر' 358 ریاستی قانون ساز اداروں کے ارکان اور 26 امریکی ایوان نمائندگان کے ممبر تھے۔ ایک کالا آدمی سپریم کورٹ کا جج رہا اور ایک کالے آدمی نے خلا میں پرواز کی۔ ایک سیاہ فام نے امن کا نوبیل کا انعام جیتا' ایک نے اقوام متحدہ میں امریکہ کی سفارت کی۔ سیاہ فاموں کی اقبال مندی میں مسلمانوں کا حصہ' ان کے عددی تناسب کے مطابق ہے۔ سیاہ فام امریکی مسلمانوں نے صحافت' حکومت' تجارت' کھیل اور فنون اظہار کے شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کئے ہیں۔ اس مطالعے میں افراد کے ناموں اور کاموں کی گنجائش نہیں لیکن محمد علی کا (55) مختصر تذکرہ بوجوہ لازم ہے جو 1964ء تا 1967ء اور 1974ء تا 1978ء نو سال عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن رہے۔ باکسنگ کی تاریخ کا کوئی اور کھلاڑی اتنے عرصے تک اکھاڑے میں نہیں رہا۔۔

غلامی کے دور کا مذہب اور نام ترک کرنے اور اپنے حال و ماضی پر غور کرنے والوں میں محمد علی بھی تھا۔ 27 جنوری 1964ء کو اس نے نیشن آف اسلام کی باقاعدہ رکنیت حاصل کی اور چھ ماہ بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ باکسنگ امریکہ کا پرانا پسندیدہ کھیل ہے اور اس میں عظمت شہرت اور دولت ہے۔ شروع سے ہی مکہ بازی کے اکھاڑے پر افریقی نژاد امریکیوں کا غلبہ رہا' محمد علی جو پندرہ سال کی عمر میں مکہ بازی کرنے لگے تھے 1960ء میں روم کی اولمپک چیمپئن شپ جیت کر امریکہ کی آنکھ کا تارا بن گئے' ان کی گفتگو فصیح و بلیغ تھی اور وہ فی البدیہہ عمدہ شعر کہتے تھے۔ وہ آئے دن ٹیلی ویژن پر دکھائی دینے لگے۔ 1965ء میں جب انہوں نے فوجی خدمت کے قانون کی تعمیل کرنے سے انکار اور ویت نام کی جنگ میں امریکیوں کی شرکت کی مخالفت کا اعلان کیا تو وہ ایک ملک گیر بحث و تکرار کی زد میں آگئے۔ ان پر نکتہ چینی کا ایک ہدف ان کا مسلمان ہونا تھا۔ محمد علی ثابت قدم رہے اور ایک نظم میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ ویٹ کانگ سے میری کوئی لڑائی نہیں ہے۔ ویت نام کی جنگ پر امریکی قوم بٹی ہوئی تھی۔ بہت سے نوجوان مختلف حیلوں بہانوں سے "ڈرافٹ" (جبری بھرتی) سے بچتے تھے ان میں بل کلنٹن بھی تھے جو اعلیٰ تعلیم کی راہ اختیار کرنے

کی بناپر فوجی خدمت سے مستثنیٰ قرار پائے تھے۔

"ڈرافٹ" سے لڑائی میں محمد علی کو ملک کے اندر اور باہر کچھ حمایت بھی حاصل تھی' بہرحال 19 جون 1965ء کو ورلڈ باکسنگ ایسوسی ایشن نے ان کا مکہ بازی کا لائسنس منسوخ کر دیا اور 25 جون 1967ء کو فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کی بناپر انہیں پانچ سال قید کی سزا ہوئی جو اپیل پر 20 جون 1970ء کو کالعدم ہو گئی۔

محمد علی نے جس سال قبول اسلام کا اعلان کیا اسی سال سونی سے شادی ہوئی جو تلخ رہی اور دو سال میں ختم ہو گئی۔ اگست 1967ء میں بلنڈا سے شادی ہوئی جس سے مریم (18 جون 1968ء) اور محمد جونیئر (14 مئی 1972ء) پیدا ہوئے۔

بے پناہ قانونی اور گھریلو مشکلات کے دباؤ کے باوجود محمد علی باکسنگ کی راہ پر گامزن رہے اور صاحب اسلوب مکہ باز بنے۔ 25 فروری 1964ء کو میامی بیچ (فلوریڈا) میں سنی لسٹن (56) کے ساتھ ان کا جو پہلا معرکہ ہوا وہ کفر اور اسلام کی جنگ بن گیا تھا' محمد علی نے شکاگو سے مالکم ایکس کو مدعو کیا تھا۔ جو اس وقت نیشن آف اسلام میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے اور امریکہ کی ایک جانی پہچانی شخصیت تھے محمد علی کے پروموٹروں نے انہیں اکھاڑے کے آس پاس دیکھا تو وہ پریشان ہو گئے ان کو اندیشہ تھا کہ اخباری نمائندوں نے امریکی نظام کے بے رحم نقاد اور شعلہ بیان مقرر کو محمد علی کے اتنا قریب دیکھا تو وہ کہانیاں بنالیں گے اور علی کے امیج کو نقصان پہنچے گا۔ محمد علی نے پروموٹروں کو یہ بتا کر اور پریشان کیا کہ میں تو خود مسلمان ہوں۔

محمد علی اور مالکم ایکس دونوں نے اپنے اپنے سوانح (حیات) (57) میں جو امریکہ میں اسلام کی تاریخ کے منہ بولتے باب ہیں اس واقعے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور توجہ دلائی ہے کہ یہ مقابلہ جیتنے میں علی کی طاقت اور مہارت کے علاوہ اس کے ایمان کی مضبوطی بھی کار فرما تھی۔

1966ء میں الایجا محمد کے ایک لائق پیروکار ہربرٹ محمد علی کے مینجر بنے اور اس کے بعد علی کے فن نے تیزی سے ارتقاء کی منزلیں طے کیں۔ علی نے اپنی سوانح عمری میں باکسنگ سے اپنی مجموعی آمدنی 31 کروڑ ڈالر سے اوپر بتائی ہے جس میں سے 27 کروڑ ڈالر سے زیادہ یافت ہربرٹ محمد کی انتظامیہ کا ثمر تھی۔ علی کا کہنا ہے کہ اگر وہ آبائی مذہب پر قائم رہتے اور بھرتی ہونے سے انکار نہ کرتے تو ان کی مجموعی آمدنی کئی گنا زیادہ ہوتی لیکن اسلام کا پرچم اٹھا کر علی نے دنیا میں جو عزت اور شہرت پائی وہ کسی دوسرے ہیوی ویٹ چمپئن کے حصے میں نہیں آئی۔ بادشاہ' صدر اور وزرائے اعظم اور برٹرانڈ رسل کے پائے کے دانشور انہیں خط لکھتے تھے۔ سفید فام امریکہ نے علی کے مذہب اور سیاسی نظریئے کی بناء پر انہیں رد کرنے میں اپنا نقصان دیکھا اور یہ خواہش اور امید ظاہر کی کہ وہ امریکہ کے جواں سال افریقی شہریوں کے لئے رول ماڈل بنیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا

اور انہوں نے لاکھوں سیاہ فام نوجوانوں کو روحانی اور مادی ترقی کی راہ پر ڈالا۔

مسلم تنظیموں کے تبلیغی پروگرام شروع ہی سے قید خانوں پر مرکوز ہیں۔ جیلوں میں سیاہ فاموں کی تعداد آبادی میں ان کے تناسب سے ہمیشہ دوگنی رہی ہے۔ جیلوں کے حکام قیدیوں کی اصلاح کے منصوبوں کے تحت ہر مذہب کے علماء کو مدعو کرتے ہیں۔ جیل میں قیدی کو اپنی حالت کا جائزہ لینے اور اپنے مستقبل کی فکر کرنے کا نادر موقع ملتا ہے اس لئے بہت سے قیدی رہا ہونے تک کسی ایک مذہب کا اخلاقی ضابطہ قبول کر لیتے ہیں "گزشتہ صدی کے آخری نصف میں سینکڑوں سیاہ فام امریکی جیلوں میں مسلمان ہوئے۔ ان میں سابق ورلڈ ہیوی ویٹ باکسر مائک ٹائی سن نمایاں ہے۔ اس نے اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے نامزد کردہ ایک سیاہ فام امریکی عبدالرشید کی راہنمائی میں کلمہ شہادت پڑھا اور 1995ء میں جب جیل سے باہر آیا تو اس کے چہرے پر ہلکی ڈاڑھی اور سر پر نمازیوں کی سی سفید گول ٹوپی تھی۔

ٹائی سن ایک نامور امریکی ہے مگر اس کے مسلمان ہونے پر ملک میں ویسی بحث و تکرار نہیں چھڑی جیسی کہ 1964ء میں محمد علی کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی کیونکہ اب امریکہ میں اسلام کوئی "پراسرار بیرونی کلٹ" (58) نہیں بلکہ ایک قابل احترام دین ہے اور مسلمان امریکی زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ٹائی سن اسلام قبول کرتے وقت ملک عبدالعزیز ہو گیا تھا لیکن رہائی کے بعد پہلے دو مقابلوں میں وہ پرانے نام سے ہی شریک ہوا۔ سال 1996ء شروع ہونے تک اس کی منگیتر واشنگٹن کے ایک میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھی اور ٹائی سن کے بچے کی ماں بننے والی تھی لیکن ان دونوں کا نکاح ابھی نہیں ہوا تھا۔ یہ صورتحال اسلام کے احکامات سے مطابقت نہیں رکھتی ہے لیکن جدید امریکی معمولات کے مطابق ہے تاہم مفتی نے کے خلاف کوئی فتویٰ صادر نہ کیا کیونکہ امریکی مسلمان کسی جانتے ہیں کہ ایک نومسلم اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ اسلام کے نظریئے اور مسلمانوں کی زندگی میں جو تضادات ابھرے ہیں ان میں سے بعض تو شاذ و نادر ہی کسی بھی مسلمان کی تشویش کا باعث بنتے ہیں لیکن حق کے متلاشی وہ غیر مسلم جو مذاہب کے تقابلی مطالعے اور نظریہ اسلام کے گہرے ادراک کے بعد اسلام کو اپنی عملی زندگی کا محور بناتے ہیں وہ ان تضادات کے بھنور میں پھنسے دکھائی دیتے ہیں۔ امریکہ میں اس کی ایک دردناک مثال محمود عبدالرؤف کے معاملے سے پیدا ہوئی۔

عبدالرؤف ایک افریقی نسل کا امریکی ہے۔ اس کا پیدائشی نام کرس جیکسن تھا اور اس نام سے اپنے کالج میں باسکٹ بال کھیلتا تھا۔ گلف پورٹ مسی سپی میں اس کے بپٹسٹ والدین نے بیٹے کی پرورش اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق کی تھی۔ باکسنگ کے بعد جن کھیلوں میں امریکی مسلمانوں

نے محمد علی کی طرح عزت شہرت اور دولت پائی ہے ان میں باسکٹ بال اور امریکی طرز کا فٹ بال شامل ہیں۔ 1991ء میں جیکسن مسلمان ہو گیا۔ پانچ سال بعد وہ ریاست کولوریڈو کی ٹیم "ڈینور نگٹس" کا ملازم تھا اور اس کی پیشہ ورانہ زندگی کے دوسرے معاہدے کی رو سے اس کی سالانہ تنخواہ 27 لاکھ ڈالر تھی۔ امریکہ اور کینیڈا کی ٹیمیں نیشنل باسکٹ بال ایسوسی ایشن (این بی اے) کے قواعد کے تحت کھیلتی ہیں اور این بی اے کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ گیم کے آغاز پر قومی جھنڈا لہرایا جائے قومی ترانہ بجایا جائے اور اس وقت تمام کھلاڑی اور عہدیدار متانت سے کھڑے ہوں۔ عبد الرؤف نے محسوس کیا کہ یہ وطن پرستی کے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہے مظاہر ہیں۔ یہ موقف علامہ محمد اقبالؒ کے اس شعر کی صدائے بازگشت بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

عبد الرؤف ان رسومات کے دوران حاضر نہیں ہوتا تھا یا ہوتا تھا تو ایک طرف بیٹھے رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ امریکی پرچم جبر و استبداد کی علامت ہے اور میرا دین مجھے اس جھنڈے کو سلامی دینے کی اجازت نہیں دیتا۔ این بی اے نے اسے اپنے قواعد کی خلاف ورزی جانا اور عبد الرؤف کو معطل کر دیا یہ باسکٹ بال کا سیزن تھا ڈینور کی ٹیم سکور کے لئے اس پر بڑا انحصار کرتی تھی اور کھیل کے شیدائی کورٹ سے اس کی غیر حاضری پر دل گرفتہ تھے۔ عبد الرؤف فی گیم چونتیس ہزار ڈالر کا نقصان اٹھا رہا تھا مگر اس نے کہا میں اپنے دین کی خاطر کھیلنا چھوڑ دوں گا۔ اس پر پورا ملک ایک ہنگامے کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس بحث و تکرار میں عبد الرؤف کی شہریت اور حب الوطنی پر حملے ہوئے اور ایک قدامت پرست اخبار نے لکھا۔ امریکہ پسند نہیں تو عراق چلے جاؤ۔ واشنگٹن ٹائمز کے کالم نویس ٹام ناٹ نے طنز و مزاح کے تیر برساتے ہوئے کہا۔ عبد الرؤف امریکی پرچم کو جبر و استبداد کی علامت کہتا ہے اس کے باوجود وہ گھاٹے میں نہیں رہا وہ ایک کروڑ بارہ لاکھ ڈالر کے چار سالہ معاہدے کے دوسرے سال میں ہے۔

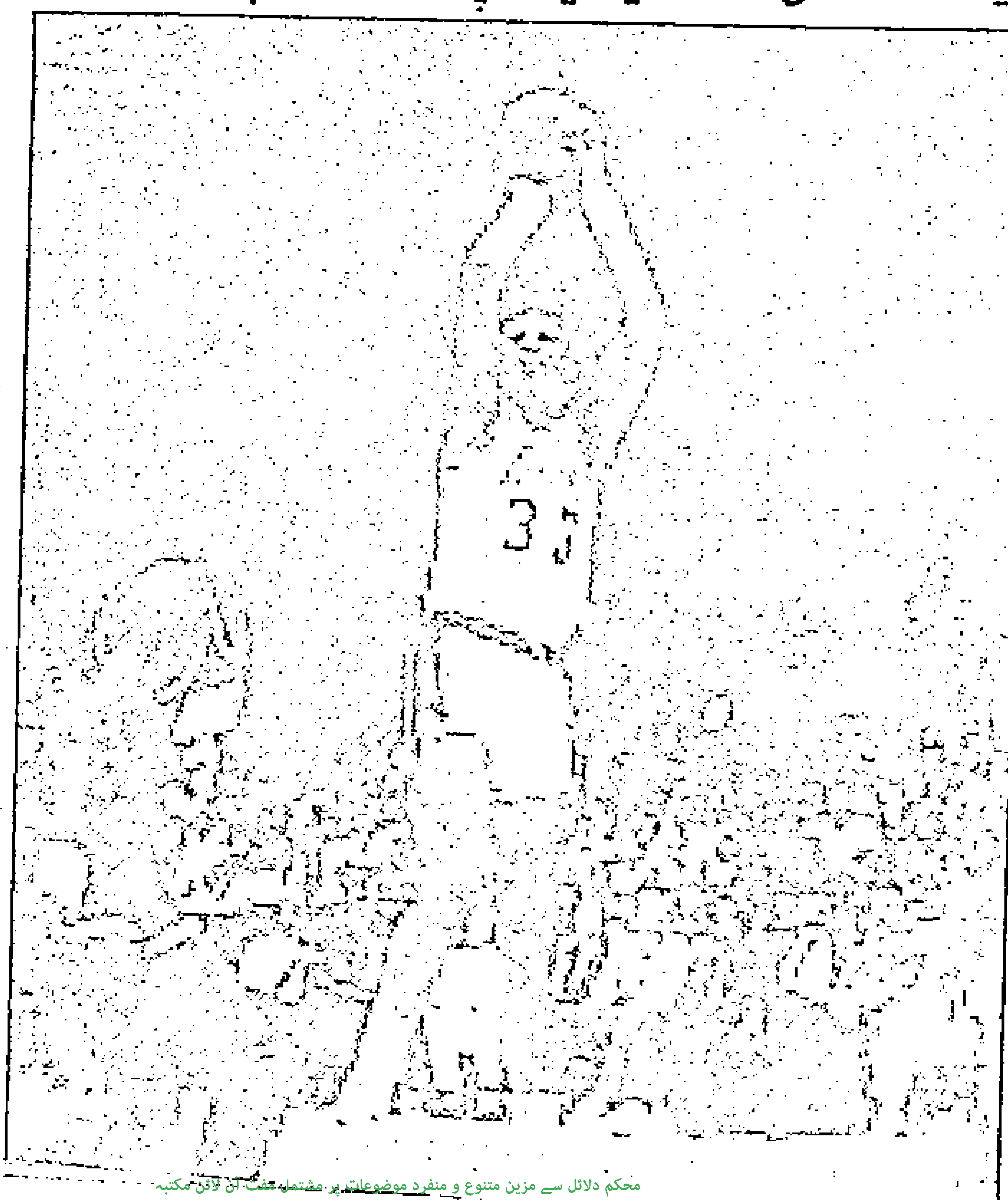
اس بحث و نزاع میں محمود عبد الرؤف کی ہم نوائی مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں نے کی۔ این بی اے کے کھلاڑیوں کی انجمن نے اس کے موقف کی حمایت کی اور کوئی درمیانی راہ نکالنے کی ضرورت پر زور دیا' باسکٹ بال کے ایک نامور کھلاڑی شقیل اونیل نے ترانے کے لئے کھڑے نہ ہونے سے اس کے انکار کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ میں ایک عرصے سے کرس کو جانتا ہوں۔ وہ برا آدمی نہیں۔ اگر اس کا مذہب یا عقیدہ اسے ایسا نہ کرنے کو کہتا ہے تو میرے خیال میں اسے اپنے ایمان پر قائم رہنا چاہئے۔ شہری حقوق کے وکیلوں کی فرم ولیمز اینڈ کانلی کے کیون بین نے شہری حقوق کے قانون کے باب سات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا اگر ایک آجر کسی ملازم کے مذہب کی بنا پر

اس کے خلاف تفریق و امتیاز روا رکھتا ہے تو وہ قانون شکنی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بین نے کہا قانونی سوال یہ ہے کہ آیا این بی اے نامناسب تکلیف میں پڑے بغیر عبدالرؤف کے مذہبی عقائد کو جگہ دینے سے قاصر ہے؟ قانون دان کی رائے تھی کہ ایسا نہیں ہے اور این بی اے تماشائیوں کو سمجھا سکتی ہے کہ قانون مذہبی عقیدے کے احترام کا تقاضا کرتا ہے بین نے کہا کہ ایک متبادل یہ ہے کہ ترانے کے دوران کھلاڑی کو لاکر روم میں رہنے دیا جائے جیسا کہ وہ کرتا رہا ہے۔ شہری حقوق کی سب سے بڑی تنظیم امریکن سول لبرٹیز یونین کے ترجمان نے واضح کیا کہ عبدالرؤف جس موقف پر اصرار کر رہا ہے اسے آئینی تحفظ حاصل ہے اور امریکی آئین بہرحال این بی اے کے قواعد پر برتری رکھتا ہے۔

مسلمان کھلاڑیوں اور دانشوروں نے ستائیس سالہ کھلاڑی کو جس کا قد چھ فٹ ایک انچ اور وزن 160 پاؤنڈ ہے عملاً احمق کہا۔ علامہ اقبال جنہیں برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کے تصور کا خالق کہا جاتا ہے زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی امریکی نومسلم کے موقف پر ہنس دیتے۔ حکیم علیجوان جو خود راسخ العقیدہ مسلمان مشہور ہیں اور باسکٹ بال میں ملک گیر شہرت کے مالک ہیں ایک انٹرویو میں بولے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے آپ سوائے اللہ کے کسی کی پرستش نہیں کرتے مگر آپ پرچم کا احترام کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پرستش اور احترام میں فرق کرنا چاہیے۔ امریکی مسلمانوں کی ایک اہم سیاسی لابی مسلم پبلک افیئرز کونسل کے ڈائریکٹر سلام ماریاتی نے کہا امریکی شہریوں کے لئے قومی ترانے کے لئے کھڑے ہونا اور وطن سے وفاداری کا عہد دہرانا اسلام کا تقاضا ہے۔ کونسل آن امریکن اسلامک ریلیشنز نے علمائے اہل سنت سے مشورے کے بعد ایک بیان میں کہا۔ مسلمان فقہ اسلامی کی ذاتی تشریح پر چلنے کی عبدالرؤف کی خواہش کا بالعموم احترام کرتے ہیں لیکن اس معاملے میں کھلاڑی کے موقف کو مذہبی سے زیادہ ایک سیاسی بیان تصور کرنا چاہیے۔ ہاورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سلیمان نایانگ نے کہا کہ مین سٹریم (مراد اہل سنت) کے سکالر مانتے ہیں کہ آپ جس ملک میں ہیں اس کا احترام کریں جب تلک کہ وہ آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ شکاگو میں "مسلم جرنل" کی مدیرہ عائشہ مصطفےٰ نے کہا کہ قرآن پاک مسلمانوں کو اس حکومت کی مزاحمت کے لئے کہتا ہے جو ان کے مذہب کو بدلنا چاہتی ہو۔ "مجھے ایسی کسی قوم کا علم نہیں جہاں برادر عبدالرؤف گناہوں سے پاک ماضی ڈھونڈ پائیں گے۔ مسلمان آج ملکوں کے اندر رہتے بستے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ برادر عبدالرؤف ایک وطن کے بغیر گزارہ کیسے کریں گے"۔ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے محقق یوسف لورنزو نے کہا محمد علی نے دین کی پاسداری کی جو مثال قائم کی ہم میں ہر کوئی اس پر نازاں ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرؤف نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ آج اس ملک کی مسلم اکثریت کے نزدیک ایک حماقت ہے۔ دوسرے مسلم اور غیر مسلم اہل

الرائے نے توجہ دلائی کہ کریم عبدالجبار اور قومی شہرت کے دوسرے مسلمان کھلاڑی قومی پرچم کا احترام کرتے ہیں اور پھر ہزاروں مسلمان امریکہ کی مسلح افواج میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ امریکی پرچم اور امریکی ترانے کی عزت نہ کریں تو کیا کریں؟۔

بعض نے کہا کہ عملاً عبدالرؤف نے قومی پرچم اور ترانے کی ویسی سنگین توہین بھی نہیں کی جیسی کہ کئی غیر مسلم امریکی کرتے رہتے ہیں اور عدالتیں قومی پرچم جلانے اور اسے پاؤں تلے روندنے کو سیاسی بیان قرار دے کر اظہار کی آزادی کا آئینی تحفظ دیتی رہی ہیں۔ امریکی کانگرس کے بعض قدامت پسند ارکان نے قومی پرچم کو آئینی تحفظ دینے کی غرض سے آئین میں ترمیم کے نوٹس دیئے ہیں لیکن اس میں فوری پیش رفت کے امکانات دکھائی نہیں دیتے۔ عبدالرؤف کے اقدام سے کچھ لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید اس کا تعلق لوئیس فراخان کے فرقے نیشن آف اسلام سے ہے مگر ملین مین مارچ کے بعد اکتوبر میں اخبار ڈینور پوسٹ سے ایک انٹرویو میں اس نے کہا تھا۔ ”میں فراخان کا حامی نہیں“ اور یہ بات بالکل عیاں ہے اس بحث و تکرار کے دوران اس نے ڈینور ہی میں اپنے ایجنٹ شریف ناصر کے توسط سے کہا۔ ”میں ان لوگوں کی دل آزاری کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جو قومی ترانے کو ایک مقدس رسم خیال کرتے ہیں۔ میں افریقن امریکی ہوں اس ملک کا شہری ہوں ایک ایسا شہری جو بیان و اظہار کی آزادی کا احترام کرتا ہے“۔ یہ چند روزہ نزاع اس وقت ختم ہوا جب عبدالرؤف نے بالآخر اعلان کیا کہ آئندہ ترانے کے موقع پر کھڑے ہو کر وہ دعا کیا کرے گا مگر اس نے کہا کہ یہ عقیدے پر سمجھوتہ نہیں ہے۔



....کریم عبدالجبار

پہلا سفید فام مسلمان

سامی مذاہب کی روایت ہے کہ ایک دور میں اترنے والا آسمانی صحیفہ اگلے دور میں ایک مصلح یا مسیح کے ظہور کی بشارت دیتا رہا چنانچہ ان دو ہزار سالوں میں مذہب کے احیاء یا تجدید کا علم اٹھانے والے بے شمار اصحاب نے ان بشارتوں کے آئینے میں اپنی ذات کا عکس دیکھا۔ امریکہ میں مرقس گاروی، فرد محمد اور الائجا محمد خدا کے فرستادہ پیغمبر، رسول، مصلح اور مہدی کہلائے۔ اسی زمانے میں برطانوی ہند میں مرزا غلام احمد (1908ء۔1835ء) نے جو علمائے اہلسنت میں ایک بلند مقام رکھتے تھے اور غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی اور علمی مناظروں میں ان کی نمائندگی کرتے تھے 1889ء میں چودھویں صدی ہجری کا مصلح اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، چار سال پہلے انہوں نے اسلام کے اس تصور کو عام کرنے کے لئے جو ان کے ذہن میں تھا دنیا بھر میں روحانیت سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنے کتابچے ارسال کئے تھے۔ ایک امریکی صحافی الیگزینڈر رسل ویب (59) نے یہ کتابچہ پڑھنے کے بعد 24 فروری 1887ء کو مرزا صاحب کو خط لکھا اور امریکہ میں "حق کی اشاعت" میں انہیں اپنے تعاون کی پیشکش کی۔ ویب کے الفاظ تھے "اگر بقول آپ کے محمدیت ہی سچا مذہب ہے تو کیوں نہ میں امریکہ میں اس کا رسول اور نافذ کنندہ بن جاؤں"۔ مرزا غلام احمد نے ویب کو جو جواب دیا وہ اس کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوا اور اس نے امریکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، اس نے امریکہ کے سات شہروں میں اپنے مشن کی شاخیں قائم کیں اور 1893ء میں ایک رسالہ جاری کیا۔ مرزا صاحب کے نام ویب کا خط اور اس کا جواب احمدیت کے سلسلے کی کتاب شان حق (1887ء) میں محفوظ ہے۔ ویب کی وفات کے ساتھ ہی اس کی تحریک ختم ہو گئی اس کے سیاہ فام پیرو کار بلیک مسلم تحریک میں چلے گئے اور سفید فام اپنی ذات میں مگن رہے۔

ہر چند کہ شروع ہی سے امریکہ میں اسلام کا پرچم رنگ دار لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن امریکہ میں پیدا ہونے والا پہلا معروف شخص جس نے اسلام قبول کیا سفید فام محمد الیگزینڈر رسل ویب ہی تھا۔ وہ امریکی فارن سروس کا رکن تھا اور منیلا فلپائن میں امریکی سفارت خانے میں قونصلر کے فرائض ادا کر چکا تھا۔ اس نے مشرقی فلسفے اور تصوف کا وسیع مطالعہ کیا اسلام سے متاثر ہوا اور قرآن حکیم کو سینے سے لگا لیا۔ اس نے مسیحیت سے اسلام تک اپنے روحانی سفر کا احوال "اسلام

ان امریکہ" میں لکھا ہے جو 1893ء میں نیویارک سے شائع ہوئی تھی۔ اس نے "دی مسلم ورلڈ" کے نام سے جو رسالہ جاری کیا اسے شمالی امریکہ میں تمام جدید اسلامی لٹریچر کا پیشرو سمجھا جاتا ہے۔ ویب اور اس کے بعد جو ہزاروں سفید فام امریکی مسلمان ہوئے وہ عام طور پر نظریہ تثلیث سے بیزار اور "باپ بیٹا اور روح القدس (60)" کے امتزاج کو معبود ماننے میں متامل تھے۔ چند سفید فام خاندانوں نے احمدی مسلک بھی اختیار کیا جو نظریہ تثلیث کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور آپ کے دوبارہ جی اٹھنے کے مسیحی عقیدوں کی کھل کر تردید کرتا ہے۔ غلاموں کی ناخواندہ اولاد جو پادریوں کے محض وعظ سن کر مسیحیت کے قریب آئی تھی اس مذہب کے اجزائے ترکیبی کو سمجھنے میں اور بھی دشواری محسوس کرتی تھی غالباً اسی بناء پر ادیب راشد "گاروی ازم اینڈ اسلام" کے عنوان سے اپنی کتاب کے باب کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "احمدیہ تحریک ایک اور ذریعہ (وہیکل) تھا جس سے سیاہ فام کو اپنی ذات کے مثبت اظہار کا راستہ ملا"۔

احمدیت کے مبلغ، مفتی محمد صادق نے جنہیں طب جدید میں سوجھ بوجھ کی بنا پر ڈاکٹر مفتی محمد صادق کہا جاتا تھا 1921ء میں شکاگو پہنچنے کے بعد ایک بڑا مکان خرید کر اسے مسجد کی شکل دی۔ جس کے لئے ساری رقوم برصغیر کے احمدیوں نے مہیا کی تھیں۔ اب امریکہ کے دارلحکومت میں احمدیہ مشن کے قدیم ہیڈ کوارٹرز کے علاوہ 23 امریکی ریاستوں میں احمدیوں کی تعمیر کردہ عبادت گاہوں کی تعداد 39 ہے۔

قادری

تارکین وطن کی اسلامی جماعتوں میں خال خال سفید فام پیدائشی امریکی بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کی مجموعی تعداد معمولی نہیں۔ ان جماعتوں کا تخمینہ ہے کہ 75 ہزار سے زیادہ گوروں نے بھی اسلام قبول کیا ان میں اکثریت عورتوں کی ہے جو مسلمانوں سے شادی کے بعد اسلام کے دائرے میں آگئیں۔ کچھ مردوں نے بھی مسلمان عورتوں سے شادی کی غرض سے اسلام قبول کیا لیکن اکثر دونوں صورتوں میں معاشرتی مصلحت ملحوظ تھی۔

کوریا اور ویت نام کی جنگوں کے دوران بعض گورے امریکی نوجوان اپنے سیاسی اور مذہبی اداروں سے مایوس ہوئے اور وہ صداقت کی تلاش کے سلسلے میں اسلام کے قریب آگئے' ان میں سے بعض کو اسلامی تصوف میں عافیت دکھائی دی اور وہ دوسرے ملکوں سے آنے والے صوفیوں کے مرید ہو گئے۔ سری لنکا کے شیخ محمد رحیم باوا محی الدین کی مثال دلچسپ ہے۔ فلاڈلفیا کے کچھ نوجوانوں نے جو صداقت کے متلاشی تھے اور ان کے زہد و تقویٰ کی شہرت سن رہے تھے 1971ء میں انہیں اپنے شہر میں مدعو کیا اور ان کے ساتھ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام امن و آشتی امریکہ پہنچا۔ باوا محی الدین نے 1984ء میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور 1986ء میں انتقال کر گئے۔ شہر کی حدود میں باوا مسجد باوا محی الدین فیلو شپ کا ہیڈ کوارٹرز ہے اور شہر سے باہر خود باوا صاحب کا عالیشان مقبرہ ہر سال مرحوم کے عرس پر سینکڑوں گورے امریکیوں کی عقیدتوں کا مرکز بنتا ہے۔ باوا مسجد سے کچھ سابق یہودی خاندان بھی وابستہ ہیں جو آل ابراہیم کی قدیم داستانوں کے امین ہیں۔

باوا محی الدین فیلو شپ تنظیم کے لٹریچر کے الفاظ میں بین ثقافت' غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے جس کا مقصد پیغمبروں کی تعلیمات کے مطابق خدا کی بنیادی حقیقت کا مطالعہ اور فروغ ہے۔ فلاڈلفیا میں اس کے ارکان کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے جس میں سے پانچ سو فیلو شپ کی مجالس یا ذکر و فکر کے اجتماعات اور جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ امریکہ کے علاوہ کینیڈا' سری لنکا' انگلستان' افغانستان' مصر' ترکیہ' بھارت' پاکستان' نائیجریا' یوگنڈا' گھانا' مراکش' انڈونیشیا' ایران اور سعودی عرب میں اس جماعت کے ارکان موجود ہیں۔ فیلو شپ کا ہیڈ کوارٹر باوا محی

الدین کی تعلیمات کے ویڈیو' آڈیو اور کتابیں شائع کرتا ہے اور لیکچروں اور مذاکروں کا اہتمام کرتا ہے۔

شیعہ

سن 60ء کے عشرے کے اواخر میں اسلامک پارٹی آف نارتھ امریکہ کا ظہور ہوا' اس کے بانی کا تعلق کئی دوسرے سیاہ فام نو مسلموں کی طرح ریاست جارجیا سے تھا۔ اس نے یوسف مظفر الدین نام اختیار کیا اور قومی دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی کے اس علاقے میں جہاں سیاہ فام اکثریت میں ہیں اپنی مسجد قائم کی۔ یوسف مظفر الدین 'جماعت اسلامی پاکستان سے متاثر تھے۔ انہوں نے لاہور کا سفر اختیار کیا اور کچھ وقت اچھرہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی سے فیض حاصل کیا۔

سیاہ فاموں کی دوسری اسلامی تنظیموں کی طرح اسلامک پارٹی پر بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں بالخصوص وفاقی پولیس ایف بی آئی کا دباؤ آیا جس کی وہ تاب نہ لاسکی اور بیس سال کی عمر پا کر تتر بتر ہو گئی۔

یوسف مظفر الدین کے ایک بیٹے ادریس نے ابتدائی دینی تعلیم سید اسعد گیلانی کی سرپرستی میں لاہور میں پائی اور وہ شیعہ مسلک اختیار کر کے وطن واپس آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اسلام کے چاروں فقہی مکاتب کا احترام کرتا ہوں لیکن اپنے لئے میں نے جعفریہ راہ منتخب کی۔ ان کا اندازہ ہے کہ امریکی مسلمانوں میں تقریباً ایک فیصد شیعہ ہیں۔

شکاگو' نیویارک' لاس اینجلز اور واشنگٹن کے شہری علاقوں میں بڑی شیعہ مساجد اور مراکز واقع ہیں۔ مساجد کے علاوہ گھروں میں محرم الحرام کی مجالس عزا ہوتی ہیں اور نیویارک شہر میں ہفتہ وار تعطیل پر ذوالجناح کا جلوس بھی نکالا جاتا ہے۔ واشنگٹن کے علاقے میں ایرانی کلچرل سنٹر بھی فقہ جعفریہ کا ایک اہم مرکز ہے' تاہم بڑی شیعہ مساجد شکاگو اور لاس اینجلز میں ہیں۔

تنظیم کاری

امریکہ میں مسلمانوں کی تنظیم کا آغاز مقامی جماعتوں سے ہوا، جس علاقے میں مسلمانوں کی آبادی قائم ہوتی تھی وہاں ناگریز طور پر ایک سجدہ گاہ بنائی جاتی تھی جو مسلمانوں کی مقامی جماعت کا مرکز بنتی تھی۔ سیڈرر ریپڈز آیووا میں اجرام خاندان کے لوگوں نے 1934ء میں ایک مسجد قائم کی جو مساجد کے معروف نقشوں کے مطابق بنائی جانے والی پہلی عمارت تھی برکات اور الوان خاندانوں نے ٹولیڈو اوہایو میں ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور خالد خاندان نے ڈیٹرائٹ مشی گن میں، جزین کنبے نے مشی گن سٹی انڈیانا میں ایک مسجد کی بنا رکھی اور خان برادران نے پنجابی مسلمانوں کو منظم کیا اور سیکرامنٹو (61) کیلیفورنیا میں مسجد قائم ہوئی جو مغربی ساحل پر پہلی سجدہ گاہ تھی شکاگو الی نائے میں پہلے مسجد دیاب لوگوں اور بروکلین نیویارک میں تاتاریوں نے اولین مساجد قائم کیں۔ ان مساجد کا مقصد آبادکاروں اور ان کی اولاد کو غیر مسلم معاشرے میں مدغم ہونے سے بچانا تھا جو ایک حد تک پورا ہوا۔

سیڈر ریپڈز کی مسلم کمیونٹی کے لیڈر عبداللہ اجرام نے امریکی مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی چنانچہ ان کی دعوت پر سیڈر ریپڈز میں ایک کنونشن ہوئی جس میں ملک بھر کی اسلامی انجمنوں کے چار سو مندوب شریک ہوئے اور اس میں انٹرنیشنل مسلم سوسائٹی قائم ہوئی، جولائی 1954ء میں ایک اور ملک گیر کنونشن شکاگو میں ہوئی جس میں امریکہ اور کینیڈا کی اسلامی انجمنوں کا وفاق (62) قائم کیا گیا۔ مختلف شہروں میں فیڈریشن کے سالانہ جلسے ہوتے رہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں غیر عرب مسلمانوں کی تعداد تیزی سے بڑھی اس تنظیم پر عربوں کا جن میں سنی اور شیعہ دونوں شامل تھے غلبہ رہا اس لئے وہ کوئی ہمہ گیر حیثیت اختیار نہ کر سکی اور ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو عرب و عجم کے سب تارکین وطن کا احاطہ کر سکے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد غیر ملکی طلباء اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ آنے لگے۔ ان میں مسلمان بکثرت تھے۔ رفتہ رفتہ بہت سی امریکی یونیورسٹیوں میں مسلمان طلباء کے گروپ قائم ہو گئے۔ ایسے گروپ عام طور پر لسانی بنیادوں پر ترتیب دیئے جاتے تھے۔ سن 60ء کا عشرہ شروع ہونے پر

امریکہ میں مسلمان طلباء کی ایک ملک گیر جماعت بنانے کی ضرورت اور اہمیت اجاگر ہوئی جسے رنگ و نسل کے امتیازات سے بالاتر ہونا تھا اور ہر خطے کے مسلمان طلباء کو اپنے اندر سمونا تھا۔ 1963ء میں ان گروپوں کے نمائندے یونیورسٹی آف الی نائے کے اربانہ کیمپس میں جمع ہوئے اور انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یا ایم ایس اے کی بنیاد رکھی۔ بانیوں میں پاکستان، بھارت، ایران، ترکیہ اور بعض عرب ملکوں کے طلباء شامل تھے۔ اسلام سے وابستگی دوسرے تمام علائق پر غالب آئی۔ ایم ایس اے کو نہ صرف امریکی یونیورسٹیوں میں غیر ملکی اور مقامی مسلمان طلباء کے مسائل کے حل میں امداد کرنا اور ان کے لئے عبادات اور دینی تقریبات کا اہتمام کرنا تھا بلکہ غیر مسلم طلباء کو اسلام سے متعارف کرانا اور امریکہ میں ایک اسلامی برادری کی نظریاتی بنیادیں استوار کرنا بھی تھا۔ اس سال آیت اللہ خمینی کو ایران سے نکال دیا گیا۔ پاکستان میں جماعت اسلامی پر پابندی عائد ہوئی اور اس کے راہنما سید ابو الاعلیٰ مودودی کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ مصر میں اخوان المسلمین کے لیڈروں کو قید کیا گیا۔ دو سال بعد اخوان کے فلسفی سید قطب کو گرفتار کیا گیا اور بالآخر موت کی سزا دے دی گئی۔ انڈونیشیا میں ماشومی پارٹی کو خلاف قانون قرار دیا گیا اور اس کے لیڈر ناصر کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ الجزائر کا انقلاب فتح کی منزل کے قریب تھا۔ اربانہ میں جمع ہونے والے بیشتر طلباء انہی ملکوں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے انہوں نے جو جماعت قائم کی اس پر ان ملکوں میں اسلامی تحریک کے تجربات سایہ فگن تھے۔

مرکزی تنظیم کے قیام کے بعد ایم ایس اے کی مقامی اور علاقائی شاخیں تشکیل پائیں مجلس عاملہ کے سالانہ اجلاس ہونے لگے جن میں آئندہ سال کا لائحہ عمل طے کیا جاتا تھا۔ بتدریج اسے بیرونی ملکوں سے فکری راہنمائی حاصل ہو گئی، اس کی رکنیت کا دائرہ اور اس کے عہدیداروں کا تجربہ وسیع ہوتا رہا۔ 1971ء تک ایم ایس اے کے لئے ایک مستقل مرکزی سیکرٹریٹ کی ضرورت واضح ہو گئی تھی۔ چنانچہ گیری، انڈیانہ میں الامین مسجد کو ہیڈ کوارٹرز بنایا گیا۔ 1973ء میں ایک کل وقتی ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا تقرر عمل میں آیا۔

ستمبر 1975ء میں ٹولیڈو، اوہایو میں اپنی سالانہ کنونشن کے دوران مجلس عاملہ نے ایم ایس اے کے آئین میں ایسی تبدیلیاں کیں جن سے تنظیم کا ڈھانچہ بدل گیا اور کل وقتی کارکنوں کا ایک سیکرٹریٹ قائم ہوا۔ ایسوسی ایشن نے بلا تاخیر پلین فیلڈ انڈیانہ میں پانچ ہزار مربع میٹر کے ایک زرعی قطعہ اراضی پر اپنا ہیڈ کوارٹرز بنایا جس میں تعلیم نشرو اشاعت دینی تربیت تعلقات عامہ مالیات اور انتظامیہ کے شعبے قائم ہوئے۔ ان شعبوں کی سربراہی کے لئے ایم ایسے اے کے ایسے سرگرم عہدیدار چنے گئے جن میں اکثر پی ایچ ڈی تھے۔

ایم ایس اے کی توسیع نے ایک پسندیدہ انداز میں جماعت کو امیج کے بحران میں مبتلا کر دیا۔ اب

اس کی توجہ مسلم آبادی پر تھی اور طلباء پیچھے رہ گئے تھے۔ جو لوگ سن ساٹھ کے عشرے میں طالب علم تھے سن ستر کے عشرے کے اواخر تک برسر روزگار، شادی شدہ اور بال بچے دار تھے مگر ایم ایس اے کے ساتھ ان کی وابستگی جاری تھی۔ فروری 1977ء میں ایم ایس اے کی مجلس عاملہ نے امریکہ اور کینیڈا سے کوئی پچاس سرکردہ سکالرز کو اس صورتحال پر غور کے لئے مدعو کیا۔ دو روزہ میٹنگ کے بعد ایم ایس اے کی ترجیحات، لائحہ عمل اور تنظیمی ڈھانچے پر نظرثانی کے لئے ایک ٹاسک فورس بنائی گئی۔ فورس نے ایم ایس اے اور ذیلی اداروں کے سربراہوں کے لئے ایک رپورٹ مرتب کی جس کے نتیجے میں 1978ء میں مسلم سوسائٹی آف نارتھ امریکہ اسنا (63) معرض وجود میں آئی جو اب ایم ایس اے اور ایک درجن کے لگ بھگ دوسری تنظیموں کا چھاتہ ہے۔ ان میں نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ ہے جو ایم ایس اے کی مساجد، اسلامک سنٹروں، طلباء کے ہاسٹلوں، ایک دارالاشاعت ایک چھاپہ خانے اور ایک بک سروس کی املاک کا امین ہے اور چھوٹے کاروباروں کے لئے ضرورت مندوں کو قرضے بھی دیتا ہے، مسلم کیمونٹی ایسوسی ایشن ہے جو مختلف شہروں میں مسلمانوں کی تنظیموں کا وفاق ہے، عمرانیات کے مسلمان ماہرین کی انجمن (اے ایم ایس ایس) ہے، مسلمان سائنس دانوں اور انجینئروں کی انجمن ہے، اور اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (آئی ایم اے) ہے۔ اسنا نے کشمیر، فلسطین، اری ٹیریا، بھارت، بوسنیا، چے چنیا اور دنیا کے دوسرے مصیبت زدہ مسلم خطوں کی امداد کے لئے ریلیف فنڈ بھی قائم کر رکھے ہیں۔ اسنا نے ایک فقہ کونسل بھی تشکیل دی ہے جو حلال و حرام اور مباح و ممنوع میں امریکیوں کی راہنمائی کرتی ہے لیکن اس نے مسلمانوں کے کسی گروپ کے بارے میں کبھی کوئی فتویٰ دینا مناسب نہیں جانا۔

تارکین وطن نے دیکھا ہے کہ گو ان میں سے بیشتر کے آبائی وطنوں میں کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کی سہولت نہیں اور نہ انہیں شہریت اختیار کرنے کی اجازت ہے لیکن امریکہ میں انہیں یہ سب آسانشیں کم از کم قانونی سطح پر میسر ہیں امریکی مسلمان اس حقیقت پر شاداں ہیں کہ امریکہ ایک غیرمذہبی اور تنوع پسند ریاست ہے لیکن انہیں اندیشہ ہے کہ جوں جوں ان کی آبادی بڑھتی ہے ان کے دین کے خلاف امریکی تعصب بھی بڑھ رہا ہے۔ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والے بعض توہین آمیز بیانات سے نالاں ہیں۔ وہ دنیا میں اسلام کے نام پر روا رکھی جانے والی دہشت گردی کے واقعات کی امریکی رپورٹیں اکثر غیرمتوازن پاتے ہیں اساسی ارکان دین کی تعمیل ہر مسلمان کا اساسی فریضہ ہے مگر امریکی ذرائع ابلاغ نے اساس پسندی کو ایک گالی بنا لیا اور اسلام کو دہشت گردی کا مترادف کہنے لگے۔ امریکی مسلمانوں نے بیانات، مذاکرات اور مکالمات کے ذریعے احتجاج کیا تو ذرائع ابلاغ نے عامتہ المسلمین اور "مذہبی جنونیوں" میں امتیاز کرنا شروع

کیااور اسلام دو زمروں میں بٹا دکھائی دینے لگا' ایک روایتی امن پسند اسلام اور دوسرا عسکریت پسند اسلام' وہ سعودی عرب' مصر' مراکش اور تونس وغیرہ کو ایک زمرے میں اور عراق لیبیا اور ایران وغیرہ کو دوسرے زمرے میں رکھتے ہیں۔

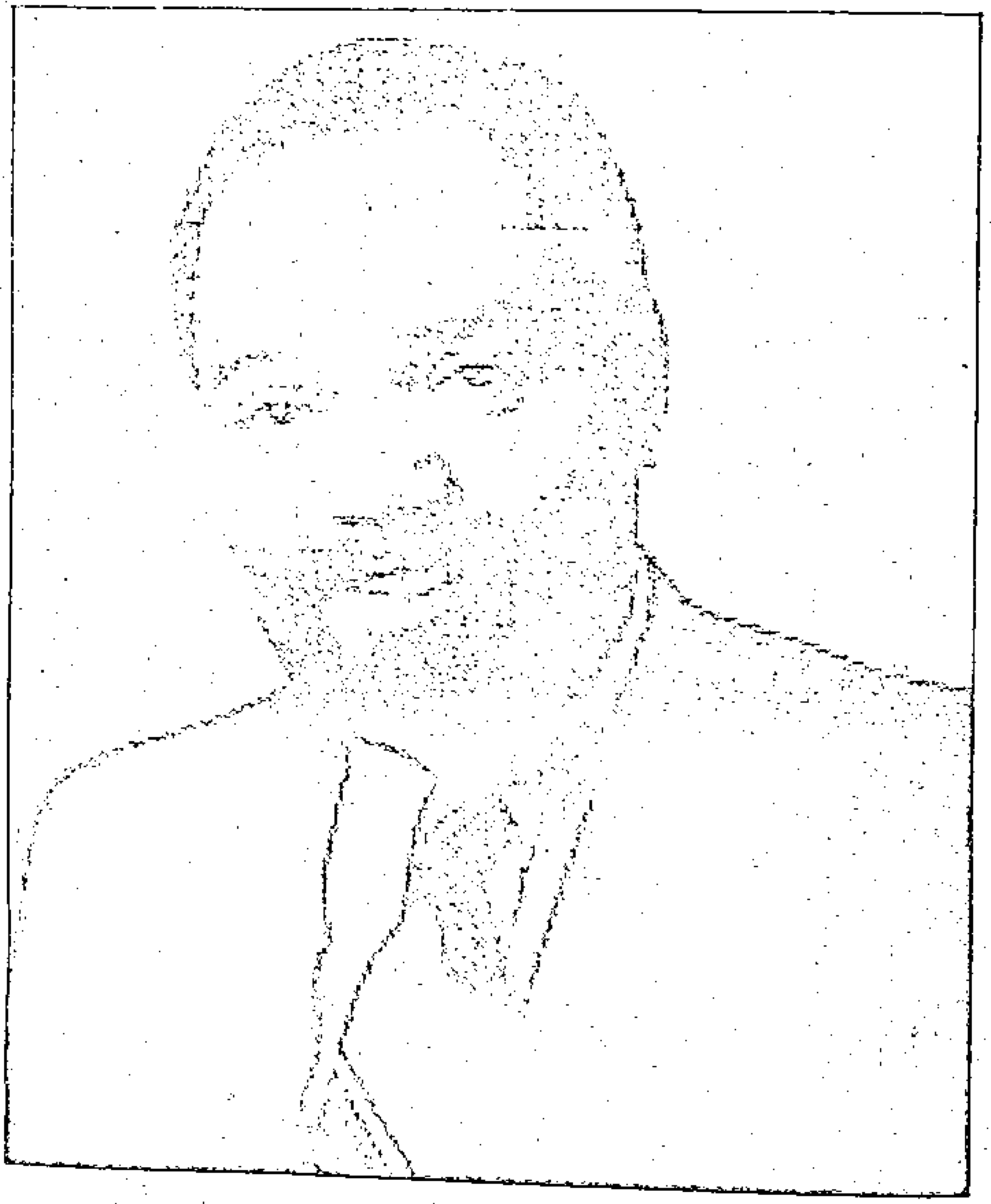
امریکہ کے اندر اور باہر دہشت گردی کے واقعات میں مسلمانوں کے ملوث ہونے کی اطلاعات کی بھرمار نے ملک میں جو فضا پیدا کی ہے اس میں ہر مسلمان کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے کئی بچوں نے شکایت کی کہ سکول کے اندر اور کھیل کے میدان میں' متعصب عبرانی اور نصرانی والدین کے بچے انہیں ہراساں کرتے ہیں۔ چند مساجد کو بم سے اڑانے کے علاوہ دوسری سجدہ گاہوں پر کوڑا پھینکا گیا اور بی بی بندوق سے گولیاں چلائی گئیں۔

پروفیسر حداد لکھتی ہیں کہ جب بھی مسلمانوں یا ان کے اداروں کے خلاف نفرت کا کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے علاقے کے عام لوگ عام طور پر ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کو شکایت ہے کہ مقامی سطح سے اوپر اسلام دشمنی کی روک تھام کے لئے کوئی ایسی کوشش نہیں دیکھی گئی جو مثلاً یہودیت کے خلاف تعصب کو قابو میں رکھنے کے لئے بار بار ہوتی رہی۔ امریکیوں کو اپنے ہم وطن مسلمانوں کے مذہبی احساسات سے خبردار کرنے کے لئے کوئی کمیٹیاں قائم کی گئیں اور نہ اسلام دشمنی کے رجحان پر غور و فکر کے لئے کانگرس نے کوئی "سماعت" منعقد کی۔ اس کے برعکس بقول مذاہب کی پروفیسر کے' سرکاری عہدیدار تحریر و تقریر میں امریکہ کو بدستور عبرانی' نصرانی قوم (64) کہتے ہیں جبکہ مسلمانوں کو اصرار ہے کہ ابراہیمی ادیان کی روایت آگے بڑھ چکی ہے اور امریکہ اب "عبرانی نصرانی اسلامی" ملک ہے۔

امریکہ میں دو جماعتی نظام کے باہر کوئی عملی سیاست ممکن نہیں' عیسائی اکثریت سے تعلق رکھنے والی مذہبی جماعتیں سیاسی اداروں کے لئے امیدوار کھڑے نہیں کرتیں لیکن وہ اپنی ڈھب کے سیاسی امیدواروں کو کامیاب بنانے میں موثر حصہ لیتی ہیں بعض مذہبی لیڈر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں اور مذہب پسند مسیحیوں کی بھاری آبادی کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان لیڈروں کی بعض تبلیغی تقریریں امریکی مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنتی ہیں۔ وہ اسرائیل کی حمایت کے جوش میں اس کی پالیسیوں کے اخلاقی پہلو سے چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنی عرب رعایا سے اس کی بدسلوکی کو کبھی زیر بحث نہیں لاتے اس طرح وہ امریکی یہودی لیڈروں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرتی مسائل کو مسیحی زاویہ نگاہ سے دیکھتے اور دکھاتے ہیں لیکن مسلمان انہی مسائل کو اسلامی زاویہ نگاہ سے دیکھنے اور دکھانے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

جیری فالویل اخلاقی انحطاط کو مسیحیت سے بیگانگی کا نتیجہ کہہ سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان مذہبی لیڈر

منشیات، جنسی بے راہروی، جرائم کی بھرمار، عدم تحفظ اور غریبی کو اسلام سے روگردانی کا شاخسانہ کہے تو بات نہیں بنتی۔ بات بنانے کے لئے افریقی امریکیوں کی دونوں بڑی جماعتوں کے ارکان نے اپنی زندگیوں کو داؤ پر لگایا ہے اور شہر شہر جرائم پیشہ گروہوں کو للکارا ہے۔ فرخان گروپ کے آدمیوں نے جرائم سے مغلوب گلی محلوں کو پولیس سے بہتر تحفظ مہیا کرنے کے لئے سکیورٹی ایجنسیاں قائم کیں اور بلدیات نے انہیں بخوشی تحفظ کے ٹھیکے دیئے مگر ایسے ٹھیکے محض اس بنا پر نکتہ چینی کا نشانہ بنے کہ لوئیس فرخان یہود پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور سیاہ فاموں کے مسیحی لیڈروں کو خاطر میں نہیں لاتے۔



۔۔۔۔۔ولی فرد محمد

سیاست

رانلڈ ریگن کے آٹھ سالہ دور صدارت کے اختتام سے پہلے امریکی مسلمانوں کو زیادہ شدت سے یہ احساس ہوا کہ انہیں جن مذہبی اور نسلی عصبیتوں کا سامنا ہے ان کے ازالے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی دوسرے اقلیتی گروپوں کی طرح سیاست میں بھرپور حصہ لیں اور قانون ساز اداروں کے لئے ایسے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی سعی کریں جو ان کے مفادات کی حفاظت کے لئے کوشاں ہوں۔ مسلمانوں نے امریکی سیاسی طور طریقوں کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں پولیٹیکل ایکشن کمیٹیاں قائم کیں رائے دہندگان کی فہرستوں میں نام لکھوانے کی مہمیں شروع ہوئیں اور واشنگٹن میں ایک ہمہ گیر غیر فرقہ وارانہ سیاسی لابی امریکن مسلم کونسل کا قیام عمل میں آیا جس میں ہر رنگ و نسل اور ہر مسلک کے مسلمان' سیاسی مقاصد کے لئے جمع ہونے لگے۔ کونسل کی بعض کامیابیوں کا تذکرہ پہلے آچکا ہے دشواری یہ ہے کہ جس تنظیم کو امریکہ کے اندر اسلام کی سب سے بڑی فورس خیال کیا جاتا ہے مسلم عوام کی جماعتیں بالخصوص اسنا اکنا اور وارث گروپ اسے غیر اسلامی کہتی ہیں' فرخان کے نزدیک ان جماعتوں کے لیڈر محض دو رکعت کے امام ہیں اور وہ انہیں نظرانداز کرتے ہوئے افریقی امریکیوں کو متحد کرنے اور اس مقصد کے لئے جارحیت پسند مسیحی لیڈروں کے ساتھ اشتراک و تعاون کی راہ پر تیزی سے گامزن ہیں۔ نیشن آف اسلام کے دونوں دھڑوں کا مسلک خواہ یکساں ہو یا نہ ہو ان میں اتحاد بعید از امکان نہیں۔ نیشن کے ارکان کا ماضی ایک ہے وہ ایک ہی زبان بولتے ہیں ان کے مسائل ایک سے ہیں جنہیں وہ آبادکار مسلمانوں کی نسبت بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ دونوں دھڑوں کا ممکنہ اتحاد امریکہ میں اسلام کے کاز کو زبردست بڑھاوا دے گا اور امریکی سیاست پر اس کا اثر صاف دیکھا جا سکے گا۔

امریکی سیاست میں مسلمانوں کے حصے کا مطلب کیا ہے؟ یہ بات ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں سچا مسلمان ہوں' میرا دین زندگی کے تمام مسائل کا ایک تسلی بخش حل پیش کرتا ہے' مجھے ووٹ دیجئے میں آپ کی مشکلات کا ازالہ کرنے میں زیادہ موثر حصہ لے سکوں گا۔ اس قسم کے دعوے کی بنا پر تو کوئی مسیحی بھی الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا' لے گا تو مسترد ہو گا۔ ماضی قریب میں کیلیفورنیا اور نیویارک کی ریاستوں کے

دو حلقوں سے دو مسلمانوں کو جو اتفاق سے پاکستانی تھے ایوان نمائندگان کے انتخابات میں ری پبلکن پارٹی کے ٹکٹ ملے اور انہوں نے علاقوں میں اپنی معاشرتی خدمات اور اقتصادی عزائم کے حوالے سے یہ قومی الیکشن لڑے لیکن ہار گئے اس لئے کہ دونوں حلقوں میں ڈیموکریٹک رائے دہندگان کا غلبہ تھا اور عام خیال کے مطابق ری پبلکن پارٹی نے انہیں قربانی کے بکرے بنایا تھا۔ تاہم اسی زمانے میں بہت سے افریقی امریکی بلدیاتی اداروں کے سربراہ اور مقامی کونسلوں کے ارکان چنے گئے۔ سلما الابامہ (61) کی میئر شپ پر ایک مسلمان کا فائز ہونا امریکی تاریخ میں ایک نئے موڑ کا پتہ دیتا ہے۔

الابامہ امریکی جنوب کے وسط میں ہے جو غلامی کی حمایت پر اصرار میں رسوا ہوا' غلامی کے خاتمے کے باوجود اس خطے میں نیگرو نسل کے لوگوں کو سیاسی تو کجا انسانی حقوق بھی میسر نہ تھے۔ یکم دسمبر 1955ء کو الابامہ کے ریاستی دارالحکومت منٹگمری میں اومنی بس پر سوار ایک سیاہ فام عورت مسز روزپارکس نے جو سینے پرونے کا کام کرتی تھی ایک سفید فام کے اندر آنے پر اپنی نشست خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ جنوب کے قانون کی خلاف ورزی تھی۔ اس پر مسز پارکس کو گرفتار کیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا۔ اس گرفتاری پر احتجاج کرتے ہوئے سیاہ فاموں نے اومنی بس سروس کا بائیکاٹ کرا دیا جس نے شہری حقوق کی تحریک کو بڑھاوا دیا اور مارٹن لوتھر کنگ جونیئر اس تحریک کے ایک لیڈر کی حیثیت سے ابھرنے لگے۔ سیاہ فام ووٹروں کے نام رائے دہندگان کی فہرست میں درج کرانا محال تھا۔ اس مہم کے دوران ڈاکٹر کنگ پر کئی حملے ہوئے۔ منٹگمری ہی میں ریاست کے منتخب گورنر جارج والس نے ایک پبلک سکول کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس فیڈرل فورس کا راستہ روکا جو ایک سیاہ فام بچے کو داخل کرانے اور یوں برابری کے وفاقی قانون کے نفاذ کے لئے بھیجی گئی تھی امریکی کانگرس میں زیر غور شہری حقوق کے بل کی منظوری پر زور دینے کے لئے 28 اگست 1963ء کو شہری حقوق کے لئے اسی خطے سے قومی دارالحکومت واشنگٹن تک وہ لانگ مارچ ہوا جس میں ڈھائی لاکھ افراد نے حصہ لیا اور جس کے اختتام پر ڈاکٹر کنگ نے وہ تقریر کی جو عرصے تک دنیا بھر کے مقہور عوام کے دلوں کو گرماتی رہی۔ "میں نے خواب دیکھا ہے کہ وہ وقت جلد آئے گا جب انسان کو اس کی جلد کے رنگ کی بنا پر نہیں پرکھا جائے گا------" 1964ء کا نوبیل انعام برائے امن جیتنے کے باوجود جنوب میں ڈاکٹر کنگ اور ان کے لوگوں کو برابر کے شہری اور سیاسی حقوق میسر نہ تھے۔ 18 جنوری 1965ء کو سلما کے ہوٹل البرٹ کی سفید فام انتظامیہ پہلی بار ڈاکٹر کنگ کو کمرہ دینے پر رضامند ہوئی او زاس دوران بھی ان پر ایک حملہ ہوا۔ سلما کی میئر شپ کے لئے ایک سیاہ فام کا جو مسلمان بھی ہے منتخب ہونا امریکی جنوب میں معاشرتی کایا کلپ کا پتہ دیتا ہے۔

سیاست میں مسلمانوں کے حصے پر مزید بحث سے پہلے ڈیمو کریٹک اور ری پبلکن پارٹی پر مختصر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ امریکہ سے باہر مسلمان اور دوسرے لوگ بھی امریکی حکومتوں کو عام طور پر ان کی خارجہ پالیسیوں کے زاویئے سے دیکھتے ہیں' چونکہ امریکہ کی خارجہ پالیسی بڑی حد تک ذوالجماعتی (65) ہے اس لئے انہیں دونوں پارٹیوں میں کوئی بڑا فرق دکھائی نہیں دیتا۔ بڑا فرق دونوں جماعتوں کے اقتصادی نظریات میں ہے۔ امریکی نظام مسلمہ طور پر سرمایہ داری نظام ہے۔ دونوں جماعتیں اس کی پابند ہیں مگر نظام کی تشریحات اکثر مختلف ہوتی ہیں۔ اس کی نمایاں مثال 1996ء کے بجٹ کا بحران تھا' چونکہ کانگرس میں ری پبلکن پارٹی کی اکثریت اور انتظامیہ پر ایک ڈیموکریٹک صدر کی گرفت تھی اس لئے دونوں پارٹیوں کے نظریاتی اختلافات کھل کر سامنے آگئے' 1992ء کے عام انتخابات کے دوران دونوں جماعتوں نے قومی بجٹ کا کھربوں ڈالر خسارہ ختم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ری پبلکن سات سال اور ڈیموکریٹ دس سال میں بجٹ کو متوازن کرنے کے دعویدار تھے اس بنا پر رائے دہندگان نے تقریباً نصف صدی کے عرصے میں پہلی بار مقننہ میں ری پبلکن پارٹی کو اکثریت عطا کی۔ بجٹ کا خسارہ کم کرنے کے لئے لازم تھا کہ وفاقی حکومت کا سائز اور اخراجات کم کئے جائیں' سائز کم کرنے کا مطلب تھا کہ کچھ سرکاری محکمے ختم کر دیئے جائیں اور معاشرتی فلاح و بہبود کے کچھ پروگرام بند کر دیئے جائیں۔ ری پبلکن پارٹی جن وفاقی محکموں کو ختم یا محدود کرنا چاہتی تھی ان میں محکمہ تجارت بھی تھا اور جو معاشرتی پروگرام بند کرنے پر مصر تھی ان سے ضعیف العمر' طلباء' بیمار اور نادار لوگ متاثر ہوتے تھے' صدر کلنٹن نے مزاحمت کی اور ان مقاصد کے تحت منظور کئے جانے والے قوانین کو ویٹو کرتے رہے۔

عام خیال کے مطابق ری پبلکن جہد اللبقا پر یقین رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر امریکی کام کرے' اپنی روزی آپ کمائے اور اپنے بل بروقت ادا کرے۔ ڈیموکریٹ کہتے ہیں کہ ہر معاشرے میں کچھ لوگ محتاج ہوں گے اور معاشرے کو ان کی دیکھ بھال کرنی پڑے گی۔ اسی تاثر کے تحت افریقی نسل کے پسماندہ امریکیوں کی غالب اکثریت شروع سے ہی ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ ہے اور شاید تادیر رہے گی مگر دوسرے نسلی اور مذہبی گروپوں کی طرح امریکی مسلمان باور کرتے ہیں کہ انہیں دونوں جماعتوں کے ساتھ ربط ضبط رکھنا ہو گا' دونوں میں کام کرنا ہو گا اور دونوں کے ہاں اپنے سودے بازی کی قوت کو بڑھانا ہو گا۔

امریکی یہودی ایک عرصے سے سینٹ اور ایوان نمائندگان کے رکن چنے جا رہے ہیں ان کا انتخاب یہودیت یا اسرائیل کے ساتھ امریکی عوام کی غیر معمولی الفت کی وجہ سے نہیں بلکہ کاروبار' سرکاری ملازمت' یا معاشرتی خدمت کے حوالوں سے اس روپئے کے بل پر ہوتا ہے جو ان کے حواری فراہم کرتے ہیں' دولت امریکی سیاست کی مشین کا ایندھن ہے اگر آپ کو اپنے

ذاتی یا اجتماعی مقاصد کے حصول کی امید میں اپنی پسند کے امیدواروں کو قانون سازاداروں میں پہنچانا ہے تو ان کی انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے بہت سا روپیہ فراہم کرنا ہو گا۔ بہت کم امیدوار اپنے روپے سے الیکشن لڑتے ہیں سیاسی عطیات کا پورا حساب الیکشن کمشن کے پاس رہتا ہے اس لئے اگر کوئی امیدوار کوئی ناپسندیدہ رقم وصول کرتا ہے تو صحافت کے ذریعے عوام کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ امریکی مسلمان ابھی اتنا سیاسی چندہ جمع کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے جو انتخابات کا پانسہ ان کے حق میں پلٹ دے شاید وہ یہ استطاعت ایک سو سال تک حاصل نہ کر سکیں مگر وہ جو کچھ کر سکتے ہیں اس کا آغاز ہو چکا ہے مسلمانوں کی دینی اور سیاسی تنظیمیں رائے دہندگان کی فہرستوں میں مسلمان رائے دہندگان کے نام درج کرا رہی ہیں مسلم پولیٹیکل ایکشن کمیٹیاں سیاسی عہدوں کے امیدواروں کے ووٹنگ ریکارڈ اور انتخابی منشوروں کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کو بتا رہی ہیں کہ کون کون امیدوار ان کی مالی امداد کا مستحق ہے۔ یہ کمیٹیاں ہر سطح کے امیدواروں کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کرتی اور بالمشافہ ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتی ہیں قومی اور بین الاقوامی امور پر انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کرتی ہیں اور ان کے احساسات کا پتہ چلاتی ہیں۔ پسندیدہ امیدواروں کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے ڈنر منعقد کرتی ہیں اور ان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ یہ ایک طویل عمل ہے جو مسلمانوں کو بتدریج قانون ساز اداروں اور بالاخر امریکی پالیسیوں پر کسی حد تک اثر انداز ہونے کے قابل بنائے گا اور اس عمل کے نتیجے میں ریاستی اور قومی اسمبلیوں میں خال خال مسلمان بھی دکھائی دینے لگیں گے۔

تین بڑے اخلاقی مباحث جنھوں نے پوری امریکی قوم کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے دعا' اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی سے تعلق رکھتی ہیں اور قدرتی طور پر امریکی مسلمانوں کو تینوں معاملات سے گہری دلچسپی ہے۔ دعا چونکہ ایک مذہبی چیز ہے۔ اس لئے سرکاری سکولوں میں منظم دعا یا اجتماعی دعا کی اجازت نہیں' اگرچہ خدا پر ایمان امریکی اقدار کا جزو ہے مگر سرکاری امداد سے چلنے والی درس گاہوں میں تقریبات کے آغاز اور اختتام پر کوئی دعا ممکن نہیں۔ ریاست اور کلیسا کی علیحدگی کا قانون البتہ درس گاہوں میں مسلمان طلباء کی دینی سرگرمیوں پر جو اوقات تدریس کے بعد اور درس گاہوں کی باقاعدہ سرگرمیوں کے دائرے کے باہر ہوتی ہیں اثر انداز نہیں ہوتا پھر بھی مسلمان طلباء اور ان کے والدین سرکاری درس گاہوں میں دعا کی تحریک کی حمایت کرتے ہیں تاہم یہ تحریک کسی ایسی دعا کو درس گاہوں میں ایک مقام دلوانے کے لئے نہیں ہے جو کسی ایک یا دوسرے مذہب کی آئینہ دار ہو' دعا کی تحریک کے لیڈروں کا کہنا ہے کہ دعا کا متن تمام امریکی مذاہب کے نمائندوں کے مشورے اور اتفاق رائے سے مرتب کیا جا سکتا ہے اور اس میں دنیاوی حکام سے بالاتر ایک ہیئت حاکمہ کے اعتراف یا پروردگار عالم کے سامنے مخلوق کی شکر گزاری اور

نیک تمناؤں کے اظہار پر اکتفا کیا جا سکتا ہے مگر امریکن سول لبرٹیز یونین اور ایسی دوسری طاقتور تنظیموں کو اندیشہ ہے کہ کسی بھی قسم کی دعا' ریاست کے نظام میں مذہب کی کار فرمائی اور بالآخر کسی ایک مذہب کی بالادستی کا وسیلہ ہو گی۔ ان تنظیموں کا کہنا ہے کہ سرکاری اداروں میں دعا کی ترویج کے لئے آئین میں ترمیم لازم ہو گی جس سے امریکی سیکولر ازم اور پلورل ازم کے گرانڈیل ڈھانچے کی شکست و ریخت شروع ہو جائے گی جو بہت کم امریکی قبول کریں گے۔

غیر منکوحہ بالغ مرد اور عورت کو باہمی رضا سے جنسی تعلقات کی آزادی کے تناظر میں اسقاط حمل کو قانونی حیثیت حاصل ہے اس لئے جو عورتیں اسقاط حمل کے طبی اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتیں ان کو اس مقصد کے لئے سرکاری خزانے سے امداد بھی مل سکتی ہے۔ ایک زبردست امریکی تحریک جو انتخابات کے نتائج پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے اسقاط کو خلاف قانون دیکھنا چاہتی ہے اور پرولائف (66) کہلاتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ زندگی کا آغاز قرار حمل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسقاط کا ارتکاب قتل ہے اس تحریک کے علمبردار کہتے ہیں کہ اسقاط کی سہولت جنسی بے راہروی کو فروغ دے رہی ہے' قدرتی طور پر امریکی مسلمان اس تحریک کے موید ہیں لیکن انہوں نے ان انتہا پسند مذہبی عناصر کے ساتھ' جن میں کیتھولک پیش پیش ہیں یکجہتی کا اظہار کبھی نہیں کیا جو اپنا موقف منوانے کے لئے تشدد سے کام لے رہے ہیں جنہوں نے کلینک تاراج کئے ہیں اور ڈاکٹروں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اس تحریک کے مخالفین کا کہنا ہے کہ ہر فرد کی طرح ایک بالغ عورت کو اپنے جسم پر اختیار ہے اور بچہ پیدا کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بھی وہی کرے گی۔ اس تحریک کے حامی پرو چوائس کہلاتے ہیں قدرتی طور پر عورتوں کی جو رائے دہندہ بھی ہیں بڑی تعداد اس نظریے کی حامی ہے۔

دونوں تحریکوں کے علمبردار سیاسی عہدوں کے لئے کھڑے ہونے والے امیدواروں سے پوچھتے ہیں کہ اسقاط کے ایشوع پر وہ ووٹ کس طرف دیں گے؟ امیدواروں کے لئے کھل کر اس سوال کا جواب دینا اکثر مشکل ہوتا ہے کیونکہ ایک موقف کی حمایت کا اعلان کر کے وہ دوسرے موقف کے لوگوں کے ووٹوں سے محروم ہو سکتے ہیں۔ دونوں سیاسی جماعتوں میں دعا کی طرح اسقاط کے حامی اور مخالف موجود ہیں لیکن ان میں سے کئی بالخصوص ری پبلیکن ایک درمیانی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حمل مجرمانہ حملے کا نتیجہ ہو تو اسے بلا تاخیر تلف کرنے کی اجازت ہونی چاہئے اور اگر حمل کے باعث حاملہ کی زندگی خطرے میں ہو تو اس صورت میں بھی اسقاط کی سہولت ہونی چاہئے۔ میانہ رو لوگوں کو اندیشہ ہے کہ اسقاط پر اندھی پابندی سے نیم حکیموں کا کاروبار چمکے گا اور زیر زمین ابارشن کلینک کھل جائیں گے۔

خلوت (64) اور انفرادی آزادی کو جو آئینی تحفظ حاصل ہے اس کے سائے میں ہم جنس پرستی

کو قبول کیا جانے لگا اور پبلک پالیسی نے چشم پوشی کی راہ اختیار کی۔ معاشرے نے دو مرد یا دو عورتوں کی شادی کو بھی گوارا کیا ہے اور بہت سے ہم جنس پرست اپنی جنسی خصوصیت کا اعتراف اور اعلان کرنے لگے ہیں اور ان میں امریکی کانگرس کے بعض ارکان تک شامل ہیں۔ اس رجحان کے خلاف بھی جو تمام ابراہیمی ادیان میں گناہ کبیرہ ہے ایک زوردار امریکی تحریک جاری ہے جسے مسلمانوں کی خاموش حمایت حاصل ہے۔ جو انہیں امریکی آبادی کے ایک بڑے حصے سے مربوط کر رہی ہے ان مباحث پر نئے اور پرانے سیاسی امیدواروں کی جانچ پڑتال میں وہ لازمی طور پر دوسرے امریکیوں کے ساتھ اشتراک و تعاون کریں گے اور یوں سیاست میں ان کے حصے کا دائرہ وسیع ہو گا۔

لیپ کے سال میں جو امریکہ میں عام انتخابات کا سال ہے کانگرس اور صدارت کے امیدواروں کو ہر نسل و مذہب کے رائے دہندگان کی حمایت درکار ہوتی ہے۔ امریکی مسلمانوں کی متعدد تنظیموں نے انہی سالوں میں رائے دہندگان کی فہرستوں میں اپنے لوگوں کے نام درج کرانے کی جو مہمیں چلائی ہیں ان کے مثبت نتائج تمام سیاسی حلقوں کی نظر میں ہیں۔ 1997ء میں ڈیموکریٹک وائیٹ ہاؤس نے امریکی مسلمانوں سے رابطے استوار کئے اور عید الفطر کے فوراً بعد امریکہ کے ان لوگوں کو مدعو کیا جو اس کے نزدیک مسلم قیادت تھی۔ یہ وائیٹ ہاؤس میں پہلی عید ملن پارٹی تھی جس کی میزبانی خاتون اول ہلری راڈم کلنٹن نے کی۔ اس میں کوئی تین مسلمان اپنے کنبوں سمیت شریک ہوئے اس لئے حاضرین کی تعداد تین سو تک جا پہنچی۔ چیلسی کلنٹن جس نے ہائی سکول میں اسلامیات کا اختیاری مضمون لیا تھا ماں کے ساتھ مہمانوں بالخصوص بچوں کی خاطر مدارت کر رہی تھی۔ بیشتر مہمانوں کا تاثر تھا کہ الیکشن کے سال کلنٹن وائیٹ ہاؤس کی عید پارٹی محض وقتی سیاسی ضروریات کا شاخسانہ نہیں بلکہ اس دلچسپی کا ثمر تھی جو اسلام کی مبادیات اور تاریخ کے اسباق لینے کے بعد چیلسی نے اپنے والدین میں اجاگر کی تھی۔ کشمیری امریکن کونسل کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ڈاکٹر غلام نبی فائی نے کہا کہ ایسا لگتا تھا کہ چیلسی اسلامی طرز زندگی سے نہ صرف خود متاثر ہوئی بلکہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ماں باپ کی معلومات میں بھی قابل قدر اضافہ کیا جو مسیحیت کے دو مختلف فرقوں سے گہرے لگاؤ رکھتے ہیں۔

مسز کلنٹن جو خاتون اول کا رتبہ پانے سے پہلے لٹل راک آرکنسا میں ایک سرکردہ وکیل تھیں معاشرتی مسائل پر ایک ہفتہ وار کالم لکھتی ہیں جو بیک وقت ملک کے درجنوں اخبارات میں شائع ہوتا ہے عید ملن پارٹی کی میزبانی کرنے کے بعد انہوں نے جو کالم تحریر کیا اس کا عنوان تھا۔۔۔ "قصر صدارت میں مسلم مذہب کی جگہ ہے"۔ کالم سے چند اقتباسات جن سے امریکہ کے ذمہ دار حلقوں میں سوچ کے بدلنے کا پتہ چلتا ہے۔

"مسرت، محبت اور خاندانی زندگی کے اس تاریخ نما جشن میں شراکت کے دوران میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ ہم بطور ایک معاشرہ کے اسلام اور اس کی تعلیمات کے ماننے والوں کے کردار کو کس کثرت سے مسخ کرتے ہیں۔ اوکلاہوما سٹی میں بم کے دھماکے کو یاد کیجئے اور فی الفور اس پر ظاہر ہونے والے بعض ردعمل کو بھی تو آپ سمجھ جائیں گے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔ دھماکہ ہونے سے لمحوں بعد سرعام مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار گردانا جانے لگا۔ جب پولیس مشتبہ افراد کی تلاش میں تھی اس ملک میں بہت سے مسلمان اپنے گھروں سے نکلتے ڈرتے تھے۔ مساجد اور اسلامی مراکز کو تہدید آمیز ٹیلیفون آئے۔

جبکہ مسلمانوں کے بارے میں خبروں کا ہدف اکثر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور دہشت گردی کے ایسے دوسرے واقعات کے قصوروار انتہا پسند ہوتے ہیں مگر اس قسم کے منفی تصورات کا اطلاق سب مسلمانوں پر کرنا انصاف نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسے وفادار شہریوں کی ہے جن کی روزانہ زندگی اپنے کام، کنبے اور کمیونٹی کے گرد گھومتی ہے۔

جو لوگ اسلام سے روحانی رہنما اور قوت پاتے ہیں وہ امریکی زندگی کے ہر شعبے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ ہوسٹن راکٹس (باسکٹ بال کی ٹیم) کے سٹار حکیم اولاجوان سے لے کر ڈاکٹر لیلیٰ ماریاتی تک جاتا ہے جو بیجنگ میں عورتوں کی عالمی کانفرنس میں امریکی وفد کی سرگرم رکن تھیں۔ اسی زمرے میں کیپٹن عبدالرشید محمد بھی ہیں جو یو ایس آرمی میں پہلے چپلن ہیں اور جنہوں نے وائٹ ہاؤس کی عید پارٹی میں دعا کرائی۔

اسی زمرے میں مروا الخیر جیسے بچے بھی آتے ہیں جو ایک گرل گائیڈ ہے، ڈاکٹر بننا چاہتی ہے اور جوڈی بلم اور مارک ٹوین کی کتابوں سے پیار کرتی ہے۔ وہ اس کے دو چھوٹے بھائی اور اس کے عراق میں پیدا ہونے والے والدین، وائٹ ہاؤس کی تقریب میں بہت سے دوسرے خاندانوں کے ساتھ موجود تھے۔

مروا ڈائس پر آئی، اس کا سبز ہیٹ مائکروفون کی بلندی تک بمشکل پہنچا مگر اس نے نہایت زور دار انداز میں یہ یاد دلایا کہ وائٹ ہاؤس میں رمضان کا جشن سب امریکیوں کے لئے اتنا ہی اہم کیوں ہے جتنا کہ کمرے میں موجود لوگوں کے لئے۔ اس نے کہا۔ صرف امریکہ میں دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے لوگ یکجا ہو سکتے ہیں اور ایک کمیونٹی بن سکتے ہیں۔ اس نے مزید کہا۔ میں ایک امریکی ہونے پر فخر کرتی ہوں اور میں ایک امریکی مسلمان ہونے پر فخر کرتی ہوں۔ مروا کی زندگی کئی لحاظ سے چھٹی جماعت کے دوسرے امریکی بچوں سے مختلف نہیں لیکن اس کی باتیں سن کر میں نے سوچا کہ یہ بات ہمارے ملک کے لئے کس قدر امید افزاء ہے کہ بچے یہاں مروا کی طرح

پرواز چڑھ سکتے ہیں جنہیں نہ صرف امریکی طور طریقوں بلکہ اپنی ثقافتی اور مذہبی اقدار پر بھی عبور حاصل ہو گا۔

میں شکر گزار ہوں کہ میری اپنی بیٹی چیلسی کو ہائی سکول میں اسلامی تاریخ کے مطالعے کا موقع ملا جو میری نسل کے افراد کو میسر نہ تھا۔ چیلسی کو اس کورس سے جو غیر معمولی دلچسپی تھی اس کا ثبوت ہم دونوں کے جنوبی ایشیا (بھارت پاکستان بنگلہ دیش) کے سفر کے دوران ملا۔ ہم جو کچھ دیکھتے اور کرتے تھے وہ اس پر رواں تبصرہ کرتی چلی جاتی تھی۔

جن ثقافتوں نے ہمارے معاشرے کو متمول کیا ہے ان کے بارے میں جاننا امریکی ہونے کے بارے میں ہماری تفہیم میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ آخر کار، ہم تارکین وطن اور متنوع مذہبی عقائد کی قوم ہیں۔

ماضی میں دوسرے عقائد کے بچوں کو وائٹ ہاؤس میں اپنے بڑے مذہبی تہوار منانے کا موقع ملا۔ کرسمس پارٹیاں اور عبرانی تہوار "ہانوکا" کے آغاز پر شمع دان روشن کرنے کی تقریبات منعقد ہوئیں اور ہزاروں بچے ایسٹر کے (رنگا رنگ) انڈے تلاش کرنے کے لئے ہر سال وائٹ ہاؤس میں ساؤتھ لان میں آتے ہیں۔

اب میں امید کرتی ہوں کہ مروا اور دوسرے مسلمان بچے محسوس کریں گے کہ ان کا دین بھی قصر صدارت میں ایک مقام رکھتا ہے۔

مسز کلنٹن کا مقالہ پڑھ کر سکارز ڈیل، نیویارک کی مسلم کمیونٹی کے لیڈر ڈاکٹر اعجاز قریشی کا یہ دعویٰ یاد آتا ہے کہ آئندہ دنیائے اسلام کی قیادت وہ امریکی بچے کریں گے جو آزاد پیدا ہوئے ہیں، جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے لیس ہو رہے ہیں اور جن پر فرقہ ورانہ عصبیتوں کا منحوس سایہ نہیں پڑا۔

مذہبی عصبیت کی یلغاریں

ہر مکتب فکر کے مورخ اتفاق کرتے ہیں کہ امریکہ میں اسلام کی تحریک جزدی طور پر اس نفرت کا نتیجہ تھی جو احساس پرست اور نسل پسند گوروں کو ملک کے افریقی (کالے) باشندوں سے ہے گویہ گورے عام آبادی کا عشر عشیر بھی نہیں اگرچہ سیاہ فام مسلمان بھی گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے لیکن سب مسلمانوں کے خلاف یہ گوری نفرت صدی کے آخری عشرے تک برقرار تھی۔ جب بھی نفرت نے حملہ کیا اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کا ہدف وارث ہے یا فراخان' سنی ہے یا شیعہ' احمدی ہے یا حنفی۔

1993ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر نیویارک کی فلک بوس عمارت کے تہہ خانے میں بم کے ہلاکت خیز دھماکے نے جس کا الزام امریکہ میں رہنے والے کچھ عرب مسلمانوں پر آیا اس نفرت کا دائرہ وسیع کردیا اور ذرائع ابلاغ نے اسے امریکہ پر اسلامی دہشت گردی کا براہ راست حملہ قرار دیا۔

یکم ستمبر 1994ء کی رات یوباسٹی کیلیے فورنیا کے اسلامک سنٹر کو آگ لگادی گئی۔ نو لاکھ ڈالر کی لاگت سے اس مسجد کی تعمیر کا نوے فیصد کام اسی روز مکمل ہوا تھا لیکن عبادات کا سلسلہ شروع بھی ہو گیا تھا۔ سنٹر کی تعمیر کے لئے ایک پاکستانی تارک وطن خالد سعید نے اپنے باغات کی اراضی میں سے سوا پانچ ایکڑ رقبہ وقف کیا تھا اور علاقے کے مسلمانوں نے تعمیر کے اخراجات کا بیڑہ اٹھایا تھا نماز عشاء کے بعد ساڑھے دس بجے تک ذکر رہا۔ گیارہ بجے تک مسجد سلامت تھی' ساڑھے گیارہ بجے بھی ایک مسلمان کا گزر ہوا اور اس نے بھی مسجد کو صحیح حالت میں دیکھا۔ گیارہ بج کر چونتیس منٹ پر فائر بریگیڈ کو اطلاع دی گئی کہ مسجد کو آگ لگی ہوئی ہے۔ آگ پر قابو پانے سے پہلے سجدہ گاہ اور اس کا مینار زمیں بوس تھے۔ فائر بریگیڈ تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ حادثہ نہیں آتشزنی تھی۔ 19منٹ کے اندر نئی نئی تعمیر ہونے والی ایک مسجد کا خاک ہو جانا ظاہر کرتا تھا کہ یہ کسی مشاق اور ماہر کا جرم ہے۔ مقدمہ درج کیا گیا لیکن مقامی پولیس کو کوئی ایسا ثبوت نہ ملا جس کی بنا پر کوئی گرفتاری عمل میں آتی۔ یوباسٹی کے مسلمان' اسلامک سنٹر کو دوبارہ تعمیر کرنے کا عزم ظاہر کررہے تھے اور انہیں شہریوں کی اکثریت بالخصوص علاقے کے یہود کی بھرپور حمایت حاصل تھی جو خود ایسے جرائم کا شکار ہوتے رہے ہیں۔

امریکی مسلمانوں کو جو اس ملک کی ایک چھوٹی سی مذہبی اقلیت ہیں احساس ہے کہ وہ مسلک کے اختلافات اور رنگ و نسل کے امتیازات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ گوری اکثریت کا ایک تنگ نظر اور متعصب جز جو جدید خودکار ہتھیاروں اور گولہ بارود سے لیس ہے اور قتل و غارت کی تربیت رکھتا ہے نہ صرف مسلمانوں بلکہ یہودیوں کا بھی صفایا کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ بیشتر ذرائع ابلاغ اور دہشت گردی کے نام نہاد ماہرین مسلمانوں کو امریکہ کے لئے خطرہ قرار دیتے ہیں اور ان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ چونکہ وفاقی نظام کا سیکولرازم اور پلورل ازم (67) اقلیتوں کی حفاظت کا ضامن ہے اس لئے وہ اسے بھی ختم کرنے کے درپے ہیں۔

یوباٹی کی مسجد کی تباہی کے دو ہی ماہ بعد ملک بھر میں ٹیلیویژن پر سٹیون ایمرسن کی "دستاویزی" فلم "جہاد ان امریکہ" (68) دکھائی گئی جس نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کے دائرے کو اور وسیع کیا۔ فلم کا لب لباب یہ تھا کہ بین الاقوامی اسلامی تحریک اپنے جہاد کو مشرق وسطیٰ سے امریکہ لے آئی ہے اور وہ تشدد کے ذریعے اس ملک پر غلبہ حاصل کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ ہرچند کہ فلم میں امریکہ کی سرزمین پر فوجی تربیت کے جن کیمپوں کی جھلکیاں دکھائی گئی تھیں ان کا تعلق سویٹ یونین کے خلاف مقبوضہ افغانستان کے جہاد سے تھا جس کی قیادت خود امریکہ کر رہا تھا۔ یہ امریکہ میں مسلمانوں کے اتحاد اور تنظیم کا ثمر تھا کہ اس شو کو موثر طور پر چیلنج کیا گیا اور ٹیلی ویژن نیٹ ورک فلم کے اختتام پر ایسے امریکی مسلمانوں کو سامنے لانے پر مجبور ہو گیا جو ایمرسن کی نیت کو بے نقاب کرنے اور اس کی فلم کی دھجیاں بکھیرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ الزام کی تردید سے ملزم پوری طرح کبھی بھی سرخرو نہیں ہوتا۔

اپریل 1995ء میں جب اوکلاہوماسٹی میں وفاقی دفاتر کی ایک گرانڈیل عمارت کو تقریباً نو بجے صبح بم سے تباہ کیا گیا تو ذرائع ابلاغ نے فی الفور اسلامی دہشت گردی کی داستانیں کھول دیں اور اسے امریکہ کو تباہ کرنے کے خیالی ڈرامے کا دوسرا منظر قرار دیا۔ ملک کا صدر خبردار کر رہا تھا کہ امریکہ کے قلب میں اس ہلاکت خیز کارروائی کا کوئی عاجلانہ نتیجہ نہ نکالا جائے لیکن ذرائع ابلاغ کہہ رہے تھے کہ پولیس' دو ایسے آدمیوں کی تلاش میں ہے جو مشرق وسطیٰ کے لوگوں (یعنی عربوں) کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں میں ایک بار پھر اسلامی دہشت گردی کے خودساختہ ماہرین اپنی آراء کا اظہار کرتے نظر آئے جن میں ایمرسن بھی تھا۔ مگر چند روز کے بعد جو دو آدمی' اس دھماکے کے الزام میں گرفتار ہوئے ان کی شکل و صورت وسط مغرب کے اصلی امریکیوں جیسی تھی چنانچہ مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈے کی یہ لہر تھم گئی اور ذرائع ابلاغ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ امریکہ میں دہشت گردی کا ایک جال خود ایسے گم کردہ راہ اور وہمی امریکیوں نے بچھایا ہے جو وفاقی حکومت کو غیر آئینی کہتے ہیں' جن کو اندیشہ ہے کہ وفاقی حکومت جس کے مسلح

ایجنٹوں نے چند سال پہلے ویکو' ٹیکس میں ڈیوڈ کرش کے ہتھیار بند فرقے کا صفایا کر دیا تھا امریکیوں کو عقیدے کی آزادی سے محروم کر رہی ہے اسلحہ رکھنے کا آئینی حق سلب کر رہی ہے' اور وہ ایک ایسی بین الاقوامی سازش میں شریک ہے جس کا مقصد' امریکہ پر اقوام متحدہ کی بالا دستی قائم کرنا ہے۔ اب ذرائع ابلاغ نے امریکہ کی تقریباً ہر ریاست میں ان اندیشوں کے حامل ایسے لشکر ڈھونڈ نکالے جو نیم فوجی وردی پہنتے ہیں' خود کار ہتھیار رکھتے ہیں جنگی تربیت حاصل کرتے ہیں اور موقع ملنے پر وفاقی حکومت کو ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے لشکر' وفاقی حکومت سے زیادہ مسلمانوں' یہودیوں اور دوسری مذہبی اقلیتوں کے لئے خطرہ ہیں۔

1996ء کے وسط میں امریکی مسلمانوں کی ایک تنظیم نے شہری حقوق سے متعلق اپنی رپورٹ جاری کی۔ اس میں مسلمانوں سے متعصبانہ برتاؤ کے کئی سو واقعات درج کئے گئے تھے۔ رپورٹ کے مصنف نے کہا کہ بہت سے واقعات اسلام سے بے خبری کا نتیجہ تھے۔

محمد نمرنے کہا کونسل آن امریکن اسلامک ریلیشنز کی یہ رپورٹ اوکلاء ہوماسٹی میں ہلاکت خیز دھماکہ کی پہلی برسی پر شائع کی گئی کیونکہ اس واردات نے جس کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں تھا مسلمانوں کے خلاف نفرت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی تھی۔ اس کا تعلق نسل پرست گوروں کی اس چھوٹی سی اقلیت کے ساتھ دیکھا گیا جو وفاقی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کرتی اور اس کا بس چلے تو شاید وہ افریقی اور ایشیائی نسل کے امریکیوں اور یہودیوں کو ملک بدر کر دے۔

انہوں نے کہا کہ بم سے ایک وفاقی سرکاری عمارت کی تباہی اور 168 افراد کی ہلاکت کے بعد چند روز تک مسلمانوں کو اس قتل و غارت کا قصور وار گردانا جاتا رہا اور اس دوران مسلمانوں کو برا کہنے اور انہیں جان سے مارنے کی دھمکیوں کے دو سو سے زیادہ واقعات کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ عملاً ان پر تشدد کے کچھ واقعات بھی رونما ہوئے۔

اوکلاء ہوماسٹی کے دھماکہ کے سلسلے میں جن اشخاص کو قانون کا سامنا ہوا وہ دو سفید فام سابق امریکی فوجی تھے۔

کونسل نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا اس کے بعد بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب کے واقعات جاری رہیں گے سالانہ بنیادوں پر اس تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کیا اور مسٹر نمرنے کہا کہ بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا اگرچہ رفتار سست تھی۔

انہوں نے کہا کہ 80 وارداتوں کی اطلاع 51 ہفتوں میں ملی۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ طعن و تشنیع کا زور گو کم ہو گیا مگر مساجد کی توڑ پھوڑ اور کارگاہوں میں بدسلوکی کے واقعات بڑھ گئے۔

اسلام سے اپنی وابستگی کے اعلان کے طور پر مسلمان عورتیں حجاب اور مرد کوفی ٹوپی پہننے لگے ہیں جبکہ کارگاہوں کے منتظم اور مالک کام کے اوقات کے دوران ان پہناووں پر اعتراض کرتے

ہیں۔ سرکاری اداروں میں جہاں شہری حقوق کا شعور اور احساس زیادہ ایسے اعتراضات کی جسارت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔

مسٹر نمر نے کہا کہ ناروا تفریق و امتیاز کے پیچھے اکثر مسلمانوں کے دینی رسم و رواج سے بے خبری کار فرما ہوتی ہے۔ واشنگٹن کے مضافات میں مصری امریکی خانم زہیوی نے بتایا کہ ایک سابقہ ملازمت کے دوران انہیں اس بے خبری کا سامنا ہوا۔ مثلاً ایک بار ساتھ کام کرنیوالی ایک لڑکی میرے پاس آئی اور بولی۔ خانم براہ کرم اس سکارف کو اتار دو خدا پھر بھی تم سے محبت کرے گا۔ میں نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ میری ذات کا جز ہے اور میں اس پر ایمان رکھتی ہوں۔

بعد ازاں خانم نے ایک اور جاب کے لئے انٹرویو دیا اور انہیں کام کے اہل جان کر ملازم رکھ لیا گیا مگر وہ ملازمت شروع کرنے سے قاصر رہیں کیونکہ مینجر کا کہنا تھا کہ وہ کام کے لباس سے متعلق کمپنی کے ضابطے کی تعمیل نہیں کرتیں۔ یہ مذہب کی بنا پر کسی سے ناروا امتیازی سلوک کے مترادف تھا جو شہری حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہے۔ اس کی بھنک ذرائع ابلاغ کے کان میں پڑی تو بحث و تکرار کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ اس قسم کے معاملات میں پہلے ہوا خانم کا معاملہ بھی انکی خواہش کے مطابق طے ہو گیا۔ آجر نے معافی مانگی اور انہیں پوری تنخواہ کے ساتھ تقرر کی تاریخ سے کام پر بحال کر دیا۔ دوپٹہ فرائض کی انجام دہی میں حائل نہیں تھا۔

مسٹر نمر نے کہا کہ تحقیقات کے دوران ایک سبق یہ ملا کہ امریکہ کے مسلمان شہریوں کو اپنے شہری حقوق سے زیادہ آگاہی حاصل کرنی چاہئے اور دوسروں کو اپنے مذہب سے آگاہ کرنا چاہئے۔ "دوسری برادریوں اور آجروں تک رسائی کے ضمن میں مسلمانوں کو اپنا کام آپ کرنا ہے اور انہیں مسلمانوں کے دینی اور معاشرتی آداب سے آگاہ کرنا ہے۔ یہ کام کرنے کا ہے۔ جب لوگ بے خبر ہوں وہ آبادی کے کسی ایک گروپ کے سب ارکان کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر مسلمان اس کا نشانہ اکثر بنتے ہیں"۔

انہوں نے کہا کہ اگر قومی سیاسی لیڈر مسلمانوں کے خلاف تفریق و امتیاز کے رجحان کی مذمت کونسل نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا اس کے بعد بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب کے واقعات جاری رہیں گے سالانہ بنیادوں پر اس تحقیقی مطالعہ کا اہتمام کیا اور مسٹر نمر نے کہا کہ بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا اگرچہ رفتار سست تھی۔

انہوں نے کہا کہ 80 وارداتوں کی اطلاع 51 ہفتوں میں ملی۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ طعن و تشنیع کا زور کم ہو گیا مگر مساجد کی توڑ پھوڑ اور کارگاہوں میں بدسلوکی کے واقعات بڑھ گئے۔

اسلام سے اپنی وابستگی کے اعلان کے طور پر مسلمان عورتیں حجاب اور مرد کوفی ٹوپی پہننے لگے ہیں جبکہ کارگاہوں کے منتظم اور مالک کام کے اوقات کے دوران ان پہناووں پر اعتراض کرتے

ہیں۔ سرکاری اداروں میں جہاں شہری حقوق کا شعور اور احساس زیادہ ایسے اعتراضات کی جسارت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔

مسٹر نمر نے کہا کہ ناروا تفریق وامتیاز کے پیچھے اکثر مسلمانوں کے دینی رسم ورواج سے بے خبری کار فرما ہوتی ہے۔ واشنگٹن کے مضافات میں مصری امریکی حانم زہیوی نے بتایا کہ ایک سابقہ ملازمت کے دوران انہیں اس بے خبری کا سامنا ہوا۔ مثلاً ایک بار ساتھ کام کرنیوالی ایک لڑکی میرے پاس آئی اور بولی۔ حانم براہ کرم اس سکارف کو اتار دو خدا پھر بھی تم سے محبت کرے گا۔ میں نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ میری ذات کا جز ہے اور میں اس پر ایمان رکھتی ہوں۔

بعد ازاں حانم نے ایک اور جاب کے لئے انٹرویو دیا اور انہیں کام کے اہل جان کر ملازم رکھ لیا گیا مگر وہ ملازمت شروع کرنے سے قاصر رہیں کیونکہ مینجر کا کہنا تھا کہ وہ کام کے لباس سے متعلق کمپنی کے ضابطے کی تعمیل نہیں کرتیں۔ یہ مذہب کی بنا پر کسی سے ناروا امتیازی سلوک کے مترادف تھا جو شہری حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہے۔ اس کی بھنک ذرائع ابلاغ کے کان میں پڑی تو بحث و تکرار کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ اس قسم کے معاملات میں پہلے ہوا حانم کا معاملہ بھی انکی خواہش کے مطابق طے ہو گیا۔ آجر نے معافی مانگی اور انہیں پوری تنخواہ کے ساتھ تقرر کی تاریخ سے کام پر بحال کر دیا۔ دوپٹہ فرائض کی انجام دہی میں حائل نہیں تھا۔

مسٹر نمر نے کہا کہ تحقیقات کے دوران ایک سبق یہ ملا کہ امریکہ کے مسلمان شہریوں کو اپنے شہری حقوق سے زیادہ آگاہی حاصل کرنی چاہئے اور دسروں کو اپنے مذہب سے آگاہ کرنا چاہئے۔ "دوسری برادریوں اور آجروں تک رسائی کے ضمن میں مسلمانوں کو اپنا کام آپ کرنا ہے اور انہیں مسلمانوں کے دینی اور معاشرتی آداب سے آگاہ کرنا ہے۔ یہ کام کرنے کا ہے۔ جب لوگ بے خبر ہوں وہ آبادی کے کسی ایک گروپ کے سب ارکان کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر مسلمان اس کا نشانہ اکثر بنتے ہیں"۔

انہوں نے کہا کہ اگر قومی سیاسی لیڈر مسلمانوں کے خلاف تفریق وامتیاز کے رجحان کی مذمت کرتے رہیں تو اس سے فائدہ ہو گا۔

کونسل کے سربراہ نہاد عوض نے سال کے وسط میں ایف بی آئی کو اطلاع دی کہ امریکہ کی پندرہ سو مساجد اور اسلامی اداروں کو ایسے گمنام خط ملے ہیں جن میں املاک اور جانوں پر حملوں کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ دو صفحات پر مشتمل خط برطانیہ سے لکھا گیا تھا اور امریکہ میں گردش کر رہا ہے۔ مسلم لیڈر کو شبہ تھا کہ یہ کارستانی جیویش ڈیفنس لیگ کی ہے مگر لیگ نے جو حکام کی نگاہ میں بھی ایک دہشت پسند تنظیم ہے تہدید آمیز خط سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر بھی وفاقی پولیس نے عوض کو یقین دلایا کہ خطوط کے سرچشمہ کا سراغ لگایا جائے گا۔

عوض نے کہا۔ ہم ہر کسی کو تلقین کر رہے ہیں کہ پر سکون رہیں اور مقامی مساجد اور اسلامی اداروں میں حفاظتی انتظامات کو معمول پر رکھیں۔ اگر کوئی مشکوک سرگرمی عمل یا اپنے ادارے میں کوئی خلاف معمول شے دیکھیں تو حکام کو اطلاع دیں۔

لبنان میں حزب اللہ اور اسرائیل میں جنگ بندی کے بعد امریکی وفاقی پولیس کو ایک گمنام خط ملا جس میں سینکڑوں یہودی تاجروں اور ڈاکٹروں کو جان سے مارنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ خط میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ اسرائیل نے جنوبی لبنان کے جس حصہ کو یکطرفہ طور پر اپنا حفاظتی زون بنا رکھا ہے اور اس پر قابض ہے۔ وہاں سے نکل جائے اور حزب اللہ کے خلاف اپنی فوجی مہم میں جن سویلین لبنانیوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے انہیں تاوان ادا کیا جائے۔ ایف بی آئی نے کہا کہ وہ اس خط کی تفتیش بھی کرے گی۔ ناگزیر طور پر اس خط کو "انتہا پسند" مسلمانوں سے منسلک کیا گیا۔

معاشرت

امریکہ میں مسلمانوں کی مختصر تاریخ ایک غیر معاشرت سے مطابقت پیدا کرنے کی جدوجہد کی کہانی ہے امریکہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھنے کے ساتھ ان کی مخصوص ضروریات کی فراہمی کا کاروبار بھی وسیع ہوا ہے تقریباً سو فیصد مسلمان بچے تو دوسرے بچوں کی طرح اسپتالوں میں پیدا ہوتے ہیں لیکن کفن دفن میں مذہبی شعائر کو ملحوظ رکھنے کا کچھ اہتمام ہو رہا ہے۔ بلدیاتی قواعد کے مطابق میت کو تدفین کے لئے سائنسی طریقے سے تیار کرنا لازم ہے چنانچہ میت کو گھر یا اسپتال سے فی الفور ایک فیونرل ہوم (69) میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ فیونرل ہوم کاروباری پیمانے پر قائم کئے گئے ہیں۔ ہوم ایک بڑے گھر کی طرح ہے۔ اس کی اندرونی فضاء نہایت خوشگوار ہوتی ہے جو غمزدہ لواحقین کو سنبھالا دیتی ہے۔ اس میں تابوت رکھنے کے تین چار کمرے ہوتے ہیں' سوگواروں کے اجتماع کے لئے ایک بڑا آراستہ ہال ہوتا ہے' تہہ خانے میں جو عام لوگوں کی نگاہوں سے دور رہتا ہے میت کو غسل دینے محفوظ کرنے اور کفنانے کے مراحل طے ہوتے ہیں' اور مرنے والے کو زندگی کے قریب ظاہر کرنے کے لئے کچھ میک اپ بھی کیا جاتا ہے تاکہ آخری دیدار کرنے والوں کو زیادہ صدمہ نہ ہو۔ بین الاقوامی شہرت کے پاکستانی قاری زاہر قاسمی کا جنازہ واشنگٹن کے مضافات میں ایسے ہی ایک خوش نما اور پر فضا فیونرل ہوم میں ہوا تھا۔

قبرستانوں کے لئے قطعات اراضی' بلدیات نے معین کئے ہیں جن کا انتظام کاروباری ہاتھوں میں ہے۔ لواحقین کو ان قطعات اراضی میں قبر کے لئے زمین خریدنی پڑتی ہے' بڑے شہری علاقوں میں قبر کی زمین اور کھدائی کے اخراجات ایک ہزار ڈالر سے اوپر جا سکتے ہیں' بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی تنظیموں نے انہی قبرستانوں میں بڑے بڑے قطعات اراضی خرید لئے ہیں جو بوقت ضرورت تقریباً آدھی قیمت پر مل سکتے ہیں۔ اس طرح غیر مسلموں کے قبرستانوں میں مسلمانوں کے احاطے ابھر رہے ہیں۔

سوگوار بالعموم نماز جنازہ فیونرل ہوم کے اندر ادا کرتے ہیں اور بعض اوقات میت کو نماز جنازہ کے لئے کسی مسجد میں لے جاتے ہیں' نماز جنازہ کے بعد سوگوار میت کو جو فیونرل ہوم کی خاص سیاہ لمبی گاڑی میں رکھی ہوتی ہے لے کر موٹر کاروں کے ایک جلوس کی صورت میں قبرستان کا رخ

کرتے ہیں' مرنے والے کا آخری سفر اکثر طویل ہوتا ہے' جلوس میں شامل ساری موٹر گاڑیوں کی بتیاں دن کو بھی روشن کر دی جاتی ہیں- جلوس کے آگے آگے پولیس کی ایک گاڑی چلتی ہے اور دوسرے ڈرائیوروں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جنازہ جا رہا ہے اس لئے وہ آگے نکلنے کی کوشش نہیں کرتے' میت کو سپرد خاک کرنے کا کام بالعموم قبرستان کے تربیت یافتہ کارکن کرتے ہیں اور اس کے لئے میکانکی آلات استعمال ہوتے ہیں- لوح مزار کا کاروبار الگ ہے' لواحقین جس قسم اور جس قیمت کا کتبہ بنوانا چاہیں بنوا کر اپنے عزیز کی قبر پر لگوا دیتے ہیں- قبرستان میں سر سبز درخت اور پھول دینے والی جھاڑیاں ہیں' منتظمین کی جانب سے ہر ہفتے قبروں پر گلدستے رکھے جاتے ہیں' فیونرل ہوم کی طرح قبرستانوں کی فضاء بھی طبیعت پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتی-

اسلام کی فطرت میں جو غیر معمولی لچک پائی جاتی ہے اس کا ایک ثبوت امریکہ میں ملتا ہے- ابتدائی مسلمانوں نے ایک مشرقی دین کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے ناگزیر طور پر مغربی مذہبی اصطلاحات استعمال کیں- سجدہ گاہ کو ٹمپل جماعت کو منسٹری اور امام کو منسٹر کہا- قرآن حکیم کو مسلمانوں کی بائبل کہنا بھی لغوی اعتبار سے غلط نہ تھا' چرچ کی روایات کے خطوط پر مسجد کو اسلامک سنٹر کہا گیا اور ایسے بڑے اسلامی مراکز میں شادی بیاہ اور جنازے کے اجتماعات ہونے لگے- اتوار چونکہ تعطیل کا دن ہے اس لئے چرچ کی طرز پر سنڈے سکول ان مراکز میں شروع کئے گئے جہاں بچوں اور بالغوں کے لئے قرآن پاک اور عربی زبان کی تدریس ہوتی ہے- مذہبی اور معاشرتی مقاصد کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے خواتین بیک سیل (70) کا اہتمام کرتی ہیں جس میں گھر پر بنائے گئے کیک بکلاوا' بریانی' کباب اور سموسے وغیرہ فروخت ہوتے ہیں- نئی مساجد کی تعمیر یا پرانی مساجد کی توسیع کے لئے فنڈ ریزنگ ڈنر بھی خالصتاً امریکی طریقہ ہے- دعوت ناموں کے ذریعے سو دو سو کنبوں کو یکجا کر لیا جاتا ہے کوئی مقرر آتا ہے اور وہ منصوبے کی وضاحت میں قرآن و حدیث کے حوالوں کے ساتھ ایک ولولہ خیز تقریر کرتا ہے جس سے متاثر ہو کر حاضرین چیک لکھنے لگتے ہیں' خواتین اپنے زیورات اتار کر پیش کر دیتی ہیں اور بچے اپنا الاؤنس یا جیب خرچ عطئے میں دے دیتے ہیں- عید ملن کی پارٹیوں میں غیر مسلموں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی معاشرت سے بلاواسطہ آگہی حاصل کریں- مغرب میں مسلمانوں کو درپیش مسائل پر مذاکرے بھی ہوتے ہیں- اسلامک سنٹر واشنگٹن میں جائیداد کی خرید و فروخت کرنے والے چند اصحاب کی تحریک پر ایک عرصے تک مضافات میں مسلمانوں کی بستیاں بسانے کا خیال بھی زیر بحث رہا جسے بالآخر رد کر دیا گیا- اکثریت کی رائے تھی کہ ایسی بستیاں' مذہبی اور معاشرتی عصبیتوں کا نشانہ بنیں گی- ان میں مکانوں کی قیمتیں علاقے کی اوسط شرح کے مطابق بڑھنے نہ پائیں گی اور وہ امریکی معاشرت کے مرکزی دھارے میں کوئی قابل قدر مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں مانع ہوں گی-

مسجد کی طرح امام کے فرائض میں توسیع بھی امریکی روایات اور ضروریات کا نتیجہ ہے۔ وہ نمازوں کی قیادت کرنے اور اسلامی فقہ کی تعلیم دینے کے علاوہ پادریوں کی طرز پر معاشرتی اور نفسیاتی مسائل سے دوچار مسلمانوں کو دینی نقطہ نگاہ سے صائب مشورے بھی دیتا ہے' بوقت ضرورت علاقے کے مسلمانوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور بین المذاہب مکالموں میں حصہ لیتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ امام مروجہ علوم سے باخبر ہو اور امریکی زبان و بیان پر قدرت رکھتا ہو' امریکہ میں پیدا ہونے اور یہیں اسلامی اور مروجہ علوم پر دسترس حاصل کرنے والے لوگ زیادہ موثر امام ثابت ہو رہے ہیں۔ دوسرے آئمہ کی سرگرمیاں اپنے اپنے لسانی گروہوں تک محدود ہیں۔

تقریباً تمام امریکی مسلمان سود کے حرام ہونے سے باخبر ہونے کے باوجود مکان' موٹر کار اور ضرورت کی کئی دوسری اشیاء کی خریداری کے لئے بنکوں سے قرض لیتے ہیں اور اس پر سود ادا کرتے ہیں۔ کئی مساجد کی تعمیر کے لئے بھی قرض لیا گیا ہے۔ کریڈٹ کارڈ تقریباً ہر امریکی کے پاس ہے جس پر خریدی جانے والی اشیاء اور خدمات کی قیمت مہینے کے آخر میں ادا نہ ہو تو سود کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

طلاق' نان نفقہ' طلاق کی صورت میں بچوں کی سپرد داری' مطلقہ ماں کے پاس رہنے والے بچوں کی ماہ بماہ مالی امداد' شادی' وراثت اور اسقاط حمل کے امریکی قوانین' اسلامی قوانین سے مختلف ہیں لیکن امریکی مسلمانوں نے بہ امر مجبوری ان سے بھی مطابقت پیدا کی ہے۔ بہت سے ملازمت پیشہ مسلمان اوقات کار کے دوران نماز پنجگانہ کی ادائیگی میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور نماز جمعہ کے لئے نہیں جا سکتے۔ وضو اور طہارت کے جو انتظامات مسلم اکثریت کے ملکوں میں دفتروں کارگاہوں' عبادت خانوں' ہوائی اڈوں اور ریلوے سٹیشنوں پر کئے گئے ہیں وہ امریکی بلدیاتی قوانین کی پوری تشفی نہیں کر سکتے۔ سرکاری اداروں میں کسی بھی قسم کی مذہبی سرگرمیوں کی اجازت نہیں لیکن ایسے بعض اداروں میں مراقبے کے کمرے (71) موجود ہیں جہاں ہر مذہب کے لوگ دس پندرہ منٹ سکون کے ساتھ اپنے من میں ڈوبنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان کمروں کو نماز کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ جو میڈیٹیشن کی تعریف پر پوری اترتی ہے اور آئینی سیکولرازم کی خلاف ورزی سے بچتی ہے۔ جس طرح سگریٹ پینے والے' کش لگانے کے لئے دفتروں سے باہر کھلی فضا میں چلے جاتے ہیں' اسی طرح بعض مذہب پسند کارکن مراقبے کے کمرے میں جا کر روحانیت کا کش لگاتے ہیں' عزم محکم ہو تو راستے نکل ہی آتے ہیں' اوقات کار کے دوران انفرادی نماز ہوتی ہے تو رمضان کے دوران روزے بھی رکھے جاتے ہیں۔ امریکہ میں تو کم کھانا اور مرغن غذاؤں سے پرہیز فیشن ہے۔ عبرانی اور نصرانی بھی روزہ رکھتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ کسی دن روزہ داری فیشن میں شامل ہو جائے آج اس "فیشن" کی حوصلہ

افزائی کریں گے۔ دوپہر کے کھانے کے 45 منٹ کے وقفے سے پیداوار ڈیڑھ گھنٹے کی حد تک متاثر ہوتی ہے۔

امریکہ میں اسلامی کیلنڈر کی تشکیل میں رویت ہلال پر انحصار سال بہ سال کم ہو رہا ہے۔ یہ بھی امریکی نظام کے ساتھ سمجھوتے اور مطابقت کی کوشش ہے۔ فلکیات کے کچھ مسلمان ماہرین جنہوں نے انسان کو چاند پر اتارنے میں حصہ لیا مصر ہیں کہ وہ قمری مہینوں کے آغاز اور انجام کا تعین پیشگی کر سکتے ہیں اور خلا کی تسخیر ان کے دعوے کا ثبوت ہے۔ بیشتر مسلمانوں نے شوال' ذی الحج' اور محرم جیسے اہم قمری مہینوں کا پیشگی تعین قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس سے منصوبہ بندی میں سہولت رہتی ہے اور بے یقینی کا اندیشہ دور ہو جاتا ہے۔ امریکہ میں کرسمس کے علاوہ کوئی مذہبی تعطیل نہیں اور اس کا جواز مذہب کی بجائے ثقافت سے فراہم کیا گیا ہے۔ امریکیوں کی اکثریت جو مسیحی ہے اپنے دوسرے مذہبی تہوار اپنے وقت کی قیمت پر مناتی ہے بیشتر مسلمان عیدین پر اپنی سالانہ چھٹی کرتے ہیں جس کے لئے انہیں ہفتہ عشرہ پہلے درخواست دینا ہوتی ہے اس لئے دنوں کا قبل از وقت تعین ضروری معلوم ہوتا ہے۔

امریکہ اہل کتاب کی سرزمین ہے۔ مسلمان مرد کو اہل کتاب میں شادی کرنے کی اجازت ہے' عورت کو نہیں۔ اس سے دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کئی تارکین وطن اپنی لڑکیوں کے لئے دولہے آبائی وطنوں سے درآمد کرتے ہیں' فی آنسے (72) ویزا پر آنے والے لڑکوں کو ایک امریکی شہری سے شادی کی بنا پر امریکہ میں سکونت اور بالآخر شہرت کا استحقاق تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن دو مختلف ملکوں میں پرورش پانے والوں کی ایسی بہت سی شادیاں ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ مختلف مذاہب کے افراد میں شادیاں ہو رہی ہیں اور وہ بالعموم مذہبی نہیں قانونی شادیاں ہیں۔ ایسے افراد اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں مذہبی تہوار مل کر مناتے ہیں اور اولاد کے لئے کوئی مذہبی راستہ تجویز کرنا چاہیں تو اتفاق رائے سے کر لیتے ہیں واشنگٹن کے علاقے کی پاکستانی کمیونٹی کی دو مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

لڑکا سنی مسلمان اور لڑکی کیتھولک مسیحی ہے' لڑکا کام سے وقت نکال کر جمعہ کی نماز میں شامل ہوتا ہے لڑکی عبادت کے لئے اتوار کو ایک بڑے کلیسا میں جاتی ہے۔ ان کے بیٹے کی عمر تین اور چار سال کے درمیان ہے۔ اسے ہفتے میں دو بار ایک مسیحی فرقے کے قائم کردہ کنڈر گارٹن میں بھیجا جاتا ہے جہاں حروف اور ہندسوں کی پہچان سے زیادہ کوئی تعلیم نہیں۔ چونکہ میاں بیوی دونوں برسر روزگار اور خوش حال ہیں اس لئے انہوں نے سعودی اسلامی اکیڈیمی میں جو علاقے کا ایک گراں خرچ اور بلند معیار سکول ہے بچے کا نام درج کرا دیا ہے۔ پانچ سال کی عمر میں وہ اکیڈیمی میں جانا شروع کر دے گا جہاں وہ مروجہ نصاب کے علاوہ دینیات پڑھے گا' نماز کا عادی ہو گا اور

دوسرے اسلامی شعائر اختیار کرے گا۔ کیتھولک ماں کو اپنے لخت جگر کے مسلمان ہونے پر کوئی تشویش نہیں وہ امید کرتی ہے کہ اسلامی ماحول میں اس کا بچہ منشیات، جنسی بے راہروی اور دوسری ناپسندیدہ سرگرمیوں سے جو بیشتر امریکی نوجوانوں کو لپیٹ میں لے لیتی ہیں دور رہے گا ایک شیعہ خاتون نے ایک پروٹسٹنٹ مسیحی سے شادی کی جو ناکام رہی۔ اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ اسے اسلامیات اور اردو زبان کا درس دیتی رہیں۔ بیٹا نو سال کا ہوا تو خاتون نے پھر ایک پروٹسٹنٹ سے شادی کی تاکہ بچے کے لئے باپ کی کمی موثر طور پر پوری ہو سکے۔ یہ شادی بظاہر کارگر ہے۔ مرد نے اپنی منکوحہ کا مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس کا یہ اقدام، بیوی کو خوش کرنے کی کوشش تک محدود تھا، تاہم وہ عیدین کی نمازوں کے لئے بچے کے ساتھ ہوتا ہے۔

شادیاں دولہا دلہن کی آبائی روایات کے مطابق ہوتی ہیں، امریکی شادی کے لئے نکاح مسنونہ کافی نہیں، جوڑا شادی کو بلدیہ میں رجسٹرڈ کرانا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے کیونکہ اکثر امریکی ریاستوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کی جائیداد مشترکہ ہے اور طلاق کی صورت میں دونوں میں برابر تقسیم ہو جاتی ہے خواہ بیوی نے یہ جائیداد بنانے میں کوئی حصہ نہ بھی لیا ہو مسلمانوں میں طلاق کی شرح تقریباً وہی ہے جو دوسرے امریکیوں میں ہے۔ چونکہ بیشتر کنبوں میں میاں بیوی دونوں برسر روزگار ہیں اس لئے وہ بے مسرت ازدواج کو برقرار رکھنا ضروری خیال نہیں کرتے۔

بیسویں صدی کے ربع آخر میں بڑے شہری علاقوں میں حلال گوشت کی فراہمی عام ہو گئی اور مسلمانوں کے لئے کھولے جانے والے ریستورانوں میں عرب، ایرانی، ترک اور پاکستانی طرز کے حلال ماکولات اور مشروبات ملنے لگے۔ امریکہ کی مسلمان افواج کے مسلم ارکان کو بھی چھاؤنیوں سے باہر تعیناتی کی صورت میں پہلے سے تیار حلال خوراک ملتی ہے۔

امریکی شہری منظر میں حلال میٹ کا منور سائن بورڈ اس ملک میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی موجودگی کا پہلا بڑا نشان ہے۔ حلال گوشت استعمال کرنے والے ریستوران غیر مسلم امریکیوں میں بھی بہت مقبول ہوئے ہیں جو تکہ، کباب، اور تنور کی تازہ گرم روٹی پسند کرتے ہیں۔

زبانیں نشوونما پاتی ہیں، کئی الفاظ ترک کئے جاتے ہیں کئی اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے طباعت کا دور شروع ہونے کے بعد قرآن حکیم کے تراجم معاصر زبانوں میں ہونے لگے انگریزی زبان میں کوئی ایک درجن تراجم موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ مقبول اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل عبداللہ یوسف علی مرحوم کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ کالعدم برطانوی سلطنت کے خطے کی انگریزی زبان اور محاورہ، امریکہ کی انگریزی زبان اور محاورے سے خاصا مختلف ہے اس لئے امریکہ میں اسلام کے فروغ کے ساتھ امریکی انگریزی میں ایک ترجمے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی جو

پروفیسرٹی بی اروِنگ نے پوری کی۔ پروفیسر اروِنگ (73) جن کا اسلامی نام تعلیم علی ہے بغداد اور قاہرہ کی اسلامی جامعات کے پڑھے ہوئے ہیں اور امریکی یونیورسٹیوں میں عرصے تک اسلامیات کا درس دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ شمالی امریکہ میں بولی جانے والی انگریزی زبان میں کیا ہے جس سے نئی نسل "کلاسیکی انگریزی میں شائع ہونے والے تراجم کی نسبت زیادہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

اسلامک سنٹر واشنگٹن

المرکز الاسلامی بواشنٹن کو امریکی مساجد میں بوجوہ مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اول یہ کہ وہ قومی دارالحکومت میں ہے۔ دوم یہ کہ وہ اسلامی طرز تعمیر کا ایک دلکش نمونہ ہے اور سیاحت کے قومی نقشے پر ہے' سوم' اس کا انتظام و انصرام شروع ہی سے اسلامی ملکوں کے سفیروں کے ایک بورڈ کے ہاتھ میں رہا ہے جس کے ارکان اور سربراہ بدلتے رہتے ہیں میساچوسٹس ایونیو پر جو بیشتر غیر ملکی سفارتخانوں کا پتہ ہے واشنگٹن کے علاقے کی یہ جامع مسجد سیاحوں کی دلچسپی کا باعث بنتی ہے اور جمعہ کے روز دنیائے اسلام کے تنوع کا منظر پیش کرتی ہے۔

13 نومبر 1944ء کو ایک ممتاز ترک سفارت کار منیر ارتگون کا انتقال ہو گیا۔ مسلم ڈپلومیٹک کور کے ارکان اور ممتاز مسلمان شہری ایک چرچ میں جنازے کے لئے جمع ہوئے۔ ان میں مصری سفیر محمود حسن پاشا اور تعمیرات کے سرکردہ مقامی کانٹریکٹر اے جے ہاور (74) بھی شامل تھے۔ سوگوار ہاور نے غمگسار پاشا کے کان میں کہا۔ "افسوس کہ ایسے عظیم مسلمان کا جنازہ ایک مسجد میں نہیں ہو رہا" پاشا نے سرگوشی میں پوچھا اگر میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوشش شروع کروں تو آپ میری مدد کریں گے؟ مسٹر ہاور بولے "یقیناً پیشہ ورانہ اور مالی دونوں لحاظ سے" یوں امریکہ میں اسلامک سنٹروں کے پیشرو کے خیال نے جنم لیا چنانچہ 1945ء میں "واشنگٹن مسجد فونڈیشن" قائم کر دی گئی' فونڈیشن کی رجسٹریشن کے کاغذات پر مسٹر ہاور کے علاوہ امین ڈیوڈ اور ابراہام کیسپر نے دستخط کئے۔ چندے کے لئے اولیں اشتہارات عربی جرائد الہدیٰ اور البیان میں دیئے گئے جو نیویارک سے تقسیم ہوتے تھے۔ واشنگٹن میں ایک مسجد کی تعمیر کے منصوبے کی خبر پر نہ صرف مسلمان بلکہ مسیحی عربوں نے بھی بڑے جوش و خروش کا اظہار کیا اور چندہ آنے لگا۔ دو ہزار ڈالر افغان نیشنل ایسوسی ایشن آف سیکرامنٹو کیلیفورنیا سے آئے' افغان امریکن ٹریڈنگ کمپنی نے دس ہزار ڈالر نیویارک سے بھیجے۔ سال کے آخر تک مسجد کے فنڈ میں مقامی ذرائع سے 48 ہزار ڈالر کے لگ بھگ جمع ہو گئے تھے یہ دوسری جنگ عظیم کی شدت کا وقت تھا اور مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا آسان نہ تھا۔ سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز السعود اور مصر کے بادشاہ فاروق نے خطیر رقوم بھجوائیں اور امریکی شہریوں نے بھی عطیات کا سلسلہ جاری رکھا' جب فونڈیشن کے پاس

پونے دولاکھ ڈالر ہو گئے تو مسجد کے لئے قطعہ اراضی 95 ہزار ڈالر میں خرید لیا گیا۔ اگلے دو سال جدوجہد کے تھے۔ فونڈیشن کے روح رواں محمود حسن پاشا کا تبادلہ ہو گیا اور عبدالرحیم واشنگٹن میں ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ انہوں نے پاکستان انڈونیشیا عراق اور شام کے جوابھی دنوں آزاد ملکوں کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرے تھے سفیروں سے رابطے استوار کئے اور انہیں فونڈیشن کی انتظامیہ کمیٹی میں شامل کیا۔ ایران اور ترکیہ کے سفارت خانے مسجد کی تعمیر میں زیادہ دلچسپی لینے لگے' بالآخر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے 1420ء ویں یوم ولادت پر منگل 11 جنوری 1949ء کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ اسلامک سنٹر کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ امریکہ میں پاکستان کے پہلے سفیر ابوالحسن اصفہانی اس تقریب میں موجود تھے۔

سفیر عبدالرحیم نے اس موقع پر ایک معنی خیز تقریر کی "یہ مسجد نہ تو کسی ایک آدمی کی ہے اور نہ ایک برادری کی اور نہ ہی کسی ایک ملک کی' یہ اللہ کا گھر ہے جس کے دروازے تمام مسلمانوں پر کھلے رہیں گے اور جس میں وہ سب پروردگار کے سامنے برابر ہوں گے۔ اس میں صرف ایمان دار اور راست باز کو فضیلت حاصل ہو گی۔ اسی طرح کوئی فرد' کوئی برادری یا کوئی ملک اب تک ہونے والے تیاری کے کام اعزاز کا دعویٰ کر سکے گا اور نہ اس بھاری کام کا جو باقی ہے۔ یہ ہم سب کا کام ہے اور سب کا رہے گا"۔

"سنگ بنیاد" دراصل دھات کا ایک مہر بند ڈبہ تھا جس میں قرآن پاک کا ایک نسخہ' اس کا انگریزی ترجمہ' اس روز کے مقامی اخبارات اور چاندی کے کچھ رائج الوقت امریکی سکے بند تھے تقریب کے بعد انتظامیہ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں طے پایا کہ مزید دس لاکھ ڈالر جمع کئے جائیں اس وقت صرف سات اسلامی ملک افغانستان مصر' ایران' عراق' پاکستان' سعودی عرب اور شام اقوام متحدہ کے رکن تھے۔ چنانچہ طے پایا کہ یہ ملک عالمی ادارے کو جو چندہ دیتے ہیں اس کی شرح سے مسجد کے لئے فنڈ جمع کرنے میں مدد کریں' چنانچہ مصر کے بعد دوسرا بڑا مالی فریضہ پاکستان پر عائد ہوا جو اس نے بخوشی پورا کیا۔ وزارت خارجہ جس کے سربراہ چودھری محمد ظفراللہ خان تھے عطیات کے لئے پاکستان کے حصے کی رقوم بروقت منظور کرتی رہی۔

پاکستانی سفیر سید امجد علی' محمد علی (بوگرا) اور آغا ہلالی اپنے اپنے وقت میں اسلامک سنٹر کے بورڈ آف گورنرز کے بالترتیب صدر قائمقام صدر اور صدر رہے۔ انتظامیہ کمیٹی نے پاکستانی سفیر اصفہانی کو مسجد فونڈیشن کے لئے ان کی غیر معمولی خدمات کی بنا پر عمر بھر کے لئے اعزازی رکن مقرر کیا۔ انڈونیشیا' یمن اور لبنان بعد میں چندے کی مہم میں شریک ہوئے۔ نظام حیدر آباد نے مصر کے توسط سے 34,681 ڈالر بھجوائے۔ ڈاکٹر محمد عبدالروف سنٹر کی تاریخ میں اشارہ کرتے ہیں کہ ایک مرحلے پر بھارت کی حکومت سے بھی چندے کی اپیل کرنے پر غور کیا گیا لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوا'

فونڈیشن نے البتہ، بحرین، کویت مراکش اور تونس کے حکمرانوں اور اردن کی حکومت سے ایسی اپلیں کیں جن کا مثبت جواب آیا۔

مسجد کا نقشہ قاہرہ میں تیار ہوا جہاں تعمیرات کے ایک اطالوی پروفیسر ماریو روزی (75) اس کام کے نگران تھے وہ مساجد کے فن تعمیر کے دیرینہ طالبعلم تھے، اور مصر کی پرانی مساجد کے مطالعہ میں بہت سا وقت گزار چکے تھے مصری حکومت نے قاہرہ اور سکندریہ کی مساجد کے نقشے بھی ان کی نگرانی میں بنوائے تھے۔ پروفیسر روزی آخری عمر میں مسلمان ہو گئے اور انہوں نے محمد مہدی کے نام سے 1961ء میں حج بھی کیا۔

ستمبر 1950ء میں اسلامک سنٹر کی تعمیر شروع ہونے کے ساتھ اس کے لئے ایک ڈائریکٹر کی ضرورت محسوس ہوئی جسے آگے چل کر امام مسجد ہونا تھا۔ اس سلسلہ میں جامعہ الازہر سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے اساتذہ میں سے ایک ایسے عالم دین کا نام تجویز کرے جو جدید علوم اور انگریزی زبان میں تحریر و تقریر کی مہارت رکھتا ہو۔ جامعہ نے ڈاکٹر محمود حب اللہ کی سفارش کی جو قاہرہ اور لندن کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے تھے جنہوں نے ایشیا اور افریقہ کے سفر کئے تھے اور پاکستان میں مصری سفارت خانے میں ثقافتی خدمات سرانجام دی تھیں۔ فونڈیشن نے ڈاکٹر محمود حب اللہ کا تقرر منظور کر لیا مگر ان کی تنخواہ جامعہ الازہر سے ہی آتی رہی۔

1952ء کے حج کے موسم میں جب فونڈیشن مالی پریشانیوں میں مبتلا تھی ایک عجیب ماجرہ ہوا۔ مختلف قومیتوں کے عازمین حج جو جدہ تک بحری سفر کے اخراجات ادا کر چکے تھے بوجوہ بیروت میں گھر گئے۔ وقت تھوڑا تھا اور سفر کے وسائل مفقود، امریکی حکومت نے عازمین حج کی حالت زار کی اطلاع پا کر ائیر لفٹ کا بندوبست کر دیا لیکن دو لاکھ ڈالر کا ریفنڈ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سفیر عبدالرحیم کو صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے اسلامک سنٹر کے لئے یہ رقم حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ ان کا استدلال تھا کہ عازمین حج کے باقی ماندہ سفر کا انتظام چونکہ امریکہ نے کیا اس لئے یہ رقم بہرحال امریکہ آنی چاہئے اور مسجد کی تعمیر پر خرچ ہونی چاہئے۔ انہوں نے مفتی لبنان اور ان کے رفیق کار صائب سلام کو جو ملک کے وزیر اعظم بھی ہوئے خط لکھے اور یہ رقم واگزار ہو گئی۔

ڈاکٹر رؤف لکھتے ہیں کہ سفیر محمود حسن پاشا، ٹھیکیدار اور ان کے رفقاء ایک معمولی عبادت گاہ کا بھی تصور کر سکتے جو تھوڑے سے خرچ سے جلد مکمل ہو جاتی اور مقامی مسلمان جو اس وقت چند سو سے زیادہ نہیں تھے اس میں نمازیں پڑھنے لگتے لیکن یہ اصحاب امریکہ کے صدر مقام پر ایک ایسی مسجد کی تعمیر چاہتے تھے جو مسلمانوں کی عظمت اور سطوت کی عکاسی کرتی چنانچہ جب میسا چوسٹس ایونیو پر امراء کے مکانوں اور سفارتخانوں کے جھرمٹ میں اسلامک سنٹر کے ستون اور

محراب ابھرنے شروع ہوئے اور مینار نے سر اٹھایا تو ذرائع ابلاغ دنگ رہ گئے اور تعمیر کے ہر مرحلے کی تصویریں اور خبریں نشر اور شائع ہونے لگیں۔ ٹائلیں ترکیہ سے' قالین ایران سے اور سنگ مرمر امریکی ریاست ورمانٹ اور خصوصی کاموں کے لئے کاریگر ترکیہ اور مصر سے آئے۔ تیرہ سال میں مسجد کی تعمیر کی جدوجہد مکمل ہو گئی۔ 28 جون 1957ء کو اسلامک سنٹر کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ اس وقت محمد علی پاکستان کے سفیر اور اسلامک سنٹر کے بورڈ آف گورنرز کے قائمقام صدر تھے اقوام متحدہ میں پاکستان کے سفیر جی احمد تھے وہ اور ---------- بیگم جی احمد نیویارک سے واشنگٹن پہنچے مہمان خصوصی کے طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر ڈوائٹ ڈی آئزن ہاور آئے۔ انہوں نے کہا "جن قوموں نے اسلامک سنٹر کی تعمیر میں حصہ لیا ہے وہ صدیوں تک انسانی تہذیب کی تعمیر میں شریک رہی ہیں۔ اسلامی ملکوں نے اپنے علم و فضل سے انسانیت کی ترقی میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ اخوت سے ولولہ پاکر جو ہمارے عقائد میں مشترک ہے ہم یہاں منصفانہ اور دیرپا امن کی بنیادیں محفوظ کرنے کا عزم تازہ کر سکتے ہیں" آخر میں صدر آئزن ہاور نے کہا۔ "امریکی آئین کی رو سے یہ مرکز' یہ عبادت گاہ' اسی طرح مبارک ہے جس طرح کسی دوسرے مذہب کا معبد ہو سکتا ہے۔ امریکی' آپ کے اپنی عبادت گاہ بنانے اور اپنے ضمیر کے مطابق عبادت کرنے کے حق کے لئے پوری قوت سے لڑیں گے اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہم وہ نہیں ہوں گے جو کہ ہم ہیں"

اسلامک سنٹر واشنگٹن پر کل گیارہ لاکھ چالیس ہزار تین سو پینتیس ڈالر اور اکاون سینٹ لاگت آئی۔ ان میں پاکستان کا حصہ دو لاکھ پچانوے ہزار ڈالر تھا۔ یہ سنگ تراشی اور خطاطی کے دلآویز نمونے پیش کرتا ہے۔ مسجد کے در و دیوار اور ایک سو ساٹھ فٹ اونچے مینار پر قرآنی آیات کندہ ہیں' وسط میں عالیشان فانوس مصر کا عطیہ ہے۔

منبر بھی مصر میں بنا۔ یہ چوب کاری کے اسلامی فن کا نادر نمونہ ہے۔ یہ لکڑی کے دس ہزار منقش اور چوکور ٹکڑوں سے ترتیب دیا گیا ہے ان کو جوڑنے کے لئے کوئی کیل کانٹا یا سیمنٹ استعمال نہیں کیا گیا۔ اس میں ہاتھی دانت کا کام سونے پر سہاگے کی طرح ہے۔ مسجد کے اندرونی حصے میں زیادہ تر آرائش و زیبائش چھت پر ہے تاکہ وہ نمازیوں کے خضوع و خشوع میں رکاوٹ نہ بنے۔

دو منزلہ اسلامک سنٹر کی تعمیر کے نقشے میں خواتین کی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ زیریں حصے میں خواتین جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرتی ہیں اور یہی حصہ وقتاً فوقتاً لیکچر ہال کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس میں تین سو نشستوں کی گنجائش ہے' وضو گاہیں اور کچن بھی اسی حصے میں ہیں۔

جب آپ سنٹر میں داخل ہوتے ہیں تو اپنے آپ کو مسجد کی ڈیوڑھی میں پاتے ہیں جس کے درمیان سنگ زرد کا فوارہ' تعمیرات کے نگران اور خزانچی اے جے ہاور اور ان کی اہلیہ بدریا ہاور

کا عطیہ ہے دائیں طرف مکتبہ اور ڈائریکٹر کے دفاتر ہیں۔ مکتبہ میں عربی اور انگریزی میں اسلامیات کی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ بائیں جانب لائبریری اور اسلامک انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ اسلامک سنٹر نے ایک مربوط پروگرام کے تحت عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن اور تفسیر کے درجنوں ایڈیشن شائع کئے ہیں جو سستے داموں سارے ملک میں فروخت ہوتے ہیں۔

اسلامک سنٹر کے افتتاح کے بعد ایک مذاکرہ ہوا جس میں بیگم جی احمد نے "اسلام میں عورتوں کی حیثیت" پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا جو دنیائے اسلام میں ایک جدید ریاست کے ظہور کا غماز تھا۔ سوڈان کے سفیر ابراہیم انیس نے ایک دین کے طور پر اسلام کی وضاحت کی' مراکش کے سفیر المہدی بن عبود نے بتایا کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے اور دوسرے مذاہب اور انسانی گروہوں کو بخوشی برداشت کرتا ہے' افغانستان کے سفیر نجیب اللہ نے اسلام کی جمہوری بنیادوں اور اسلام میں انسانی حقوق کے تصور پر روشنی ڈالی۔ مصر کے ثقافتی اتاشی صالح الدین توفیق نے علم کے حصول پر اسلام کے اصرار کی وضاحت کی۔ ان دنوں اہل علم لوگوں کو سفارت پر مامور کیا جاتا تھا۔ یہ سب مقررین پی ایچ ڈی تھے۔

افتتاح کی تقریب میں ملک کے طول و عرض سے مسلمانوں کی 126 انجمنوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ ان تنظیموں پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں امریکہ میں مسلمانوں کی کوئی ہمہ گیر مرکزی تنظیم نہیں تھی۔ یہ انجمنیں قومی' علاقائی یا لسانی بنیادوں پر بنائی گئی تھیں' ان میں نیویارک کی پاکستانی لیگ بھی شامل تھی۔

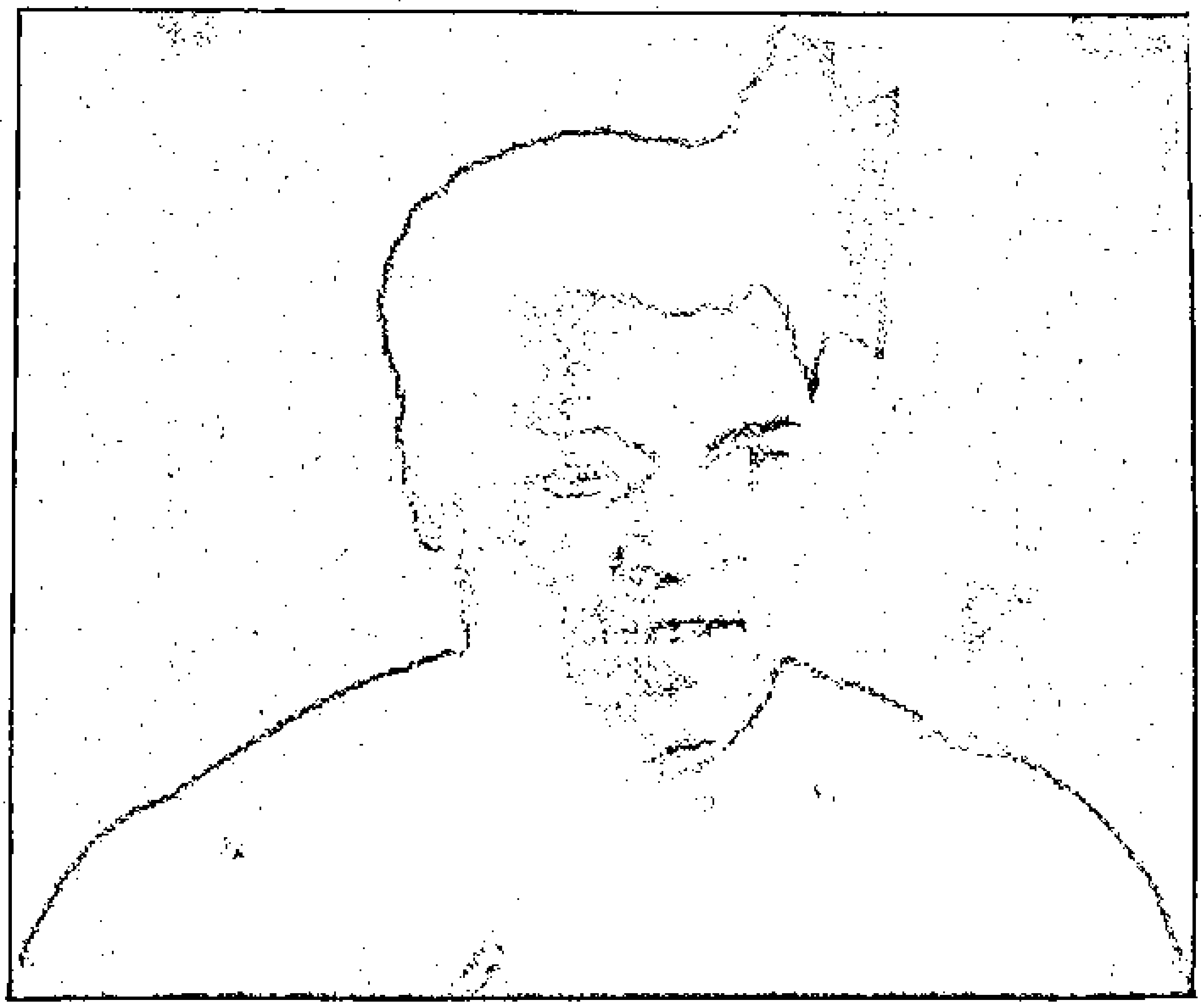
اسلامک سنٹر کے افتتاح کے 37 سال بعد 1994ء میں اسلامی سال کے آغاز پر نائب صدر ایل گور کا ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان جوتے اتار کر مسجد کے اندر آنا' سجدہ گاہ کے فرش پر دو زانو بیٹھنا اور مسلم کمیونٹی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنا گو علامتی تھا لیکن یہ علامت اس امر کی تصدیق کر رہی تھی کہ اسلام اب مسلمہ امریکی مذاہب میں سے ایک ہے نائب صدر نے نئے عیسوی سال کی طرح نئے اسلامی سال کے آغاز پر کوئی مبارک باد نہ دی کیونکہ اب امریکی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا نیا سال یکم محرم الحرام کو شروع ہوتا ہے جو ایک نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے سوگ کا مہینہ ہے .... مسٹر گور نے اسی تقریب میں ایک سیاہ فام امریکی مسلمان سے ملاقات کی جسے چند ہفتے قبل امریکی بحریہ میں چپلن کے منصب کے لئے بطور امیدوار قبول کیا گیا تھا۔ کمشن پانے کے بعد وہ بحریہ کے مسلمان سپاہیوں کی مذہبی راہنمائی اور روحانی مشورت کے کام پر مامور ہوا' وہ امریکی مسلح افواج میں اس عہدے پر فائز ہونے والا دوسرا مسلمان تھا۔

مزید اعداد و شمار

1996ء میں کیلے فورنیا کے اسلامک ری سورس انسٹی ٹیوٹ نے شمالی امریکہ کی مساجد اور مسلم تنظیموں کی ایک ڈائریکٹری شائع کی جس میں اہل سنت اور اہل تشیع کی مساجد، طلباء کی تنظیموں، اسلامی انجمنوں اور مسلمان پیشہ وروں کی جماعتوں کے نام پتے شامل ہیں۔
اگرچہ نیشن آف اسلام کے ارکان کو مسلم آبادی کے عام تخمینوں میں شامل کیا جاتا ہے لیکن عقائد کے اختلاف کی وجہ سے نیشن کی مساجد اور اداروں کو جو دو سو سے زیادہ ہیں اس فہرست سے باہر رکھا گیا ہے جبکہ امریکی ذرائع ابلاغ اسی جماعت کو جس کے لیڈر لوئیس فرخان نے 1995ء میں تقریباً دس لاکھ افریقی امریکی مردوں کو ایوان کانگرس کے سامنے وسیع و عریض سبزہ زار میں جمع کر کے ساری قوم کو حیران کر دیا تھا ملک کی سب سے بڑی اسلامی سیاسی فورس مانتے ہیں۔ وارث کی طرح فرخان کا پیغام بھی پانچ سو سے زیادہ ریڈیو سٹیشنوں سے نشر ہوتا ہے احمدیوں کی مساجد اور ادارے بھی اس ڈائریکٹری میں جگہ نہیں پا سکے جو اسلامک شوریٰ کونسل آف نارتھ امریکہ اور "منسٹری آف وارث دین محمد" (76) کے تعاون سے مرتب کی گئی ہے۔
اس ڈائریکٹری کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں اسلامک سنٹروں یا مساجد کی تعداد 1046 ہے۔ ان میں 816 مساجد عامۃ المسلمین اور 230 طلباء کے کام آ رہی ہیں جمعہ مساجد کی تعداد 948 بتائی گئی ہے۔ امریکہ میں نماز جمعہ کے کئی اجتماعات اب بھی عاریتاً حاصل کئے جانے والے گرجا گھروں یا کیمونٹی بلڈنگز میں ہوتے ہیں اور بہت سی مساجد اجتماعی طور پر خریدے ہوئے بڑے مکانوں میں قائم کی گئی ہیں لیکن 835 مساجد کی اپنی عمارتیں ہیں۔ ڈائریکٹری کے مطابق نماز جمعہ کی اوسط حاضری 158 فی سنٹر ہے۔
عظیم تر نیویارک میں سب سے زیادہ مساجد ہیں، ان کی تعداد 98 بتائی گئی ہے، ان میں سے 94 میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اور بیشتر میں نماز تراویح اور عیدین کے اجتماعات ہوتے ہیں، مساجد کی تعداد کے اعتبار سے نیویارک کے بعد جنوبی کیلے فورنیا، شکاگو، واشنگٹن ڈی سی، ٹورانٹو کینیڈا، سان فرانسکو، بے ایریا، نارتھ نیو جرسی، ڈیٹرایٹ، ہیوسٹن اور فلاڈلفیا کے شہری علاقوں کے نام آتے ہیں۔



....محمد علی (بائیں)، لوئیس فراخان کے ساتھ



....محمد علی

حرف آخر

اس کتاب کا دیباچہ سید غلام نبی فائی نے لکھا ہے- وہ ٹمپل یونیورسٹی 'فلاڈلفیا' سے مواصلات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حامل ہیں اور ایک کشمیری امریکی ہیں- وہ 1985ء تا 1989ء مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر رہے- اب تک سولہ ملکوں سے تعلق رکھنے والے طلباء اس تنظیم کے سربراہ چنے گئے ہیں مگر منصب کی سب سے زیادہ مدت فائی کے حصہ میں آئی- ان سے پہلے وادی کشمیر میں بھارتی تشدد سے فرار ہونے والے ایک اور طالبعلم سید محمد سعید جو 1995ء میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے جنرل سیکرٹری چنے گئے اس جماعت کے صدر رہے- ڈاکٹر فائی واشنگٹن میں کشمیری حریت پسندوں کے لئے لابی کرتے ہیں جو امریکہ میں ایک عظیم اور ضروری فن ہے- فائی صاحب کا شمار امریکہ کی مسلم کیمونٹی کے لیڈروں میں ہوتا ہے- وائٹ ہاؤس میں عید ملن پارٹی کی تصویر میں وہ حاضرین کے درمیان کھڑے نظر آتے ہیں- دیباچہ چونکہ انگریزی میں تحریر ہوا اس لئے من و عن کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے-

مسز کلنٹن جو خاتون اول کا رتبہ پانے سے پہلے لٹل راک آرکنساس میں ایک سرکردہ وکیل تھیں معاشرتی مسائل پر ایک ہفتہ وار کالم لکھتی ہیں جو بیک وقت ملک کے درجنوں اخبارات میں شائع ہوتا ہے- عید ملن پارٹی کی میزبانی کرنے کے بعد انہوں نے جو کالم تحریر کیا اس کا عنوان تھا--- "قصر صدارت میں مسلم مذہب کی جگہ ہے"- کالم سے چند اقتباسات جن سے امریکہ کے ذمہ دار حلقوں میں سوچ کے بدلنے کا پتہ چلتا ہے-

مسرت' محبت اور خاندانی زندگی کے اس تاریخ نما جشن میں شراکت کے دوران میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ ہم بطور ایک معاشرہ کے اسلام اور اس کی تعلیمات کے ماننے والوں کے کردار کو کس کثرت سے مسخ کرتے ہیں- اوکلاہوما سٹی میں بم کے دھماکے کو یاد کیجئے اور فی الفور اس پر ظاہر ہونے والے بعض رد عمل کو بھی تو آپ سمجھ جائیں گے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں- دھماکہ ہونے سے لمحوں بعد سرعام مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار گردانا جانے لگا- جب پولیس مشتبہ افراد کی تلاش میں تھی اس ملک میں بہت سے مسلمان اپنے گھروں سے نکلتے ڈرتے تھے- مساجد اور اسلامی مراکز کو تہدید آمیز ٹیلیفون آئے-

(جبکہ مسلمانوں کے بارے میں خبروں کا ہدف اکثر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور دہشت گردی کے ایسے دوسرے واقعات کے قصوروار انتہا پسند ہوتے ہیں مگر اس قسم کے منفی تصورات کا اطلاق سب مسلمانوں پر کرنا انصاف نہیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ایسے وفادار شہریوں کی ہے جن کی روزانہ زندگی اپنے کام، کنبے اور کمیونٹی کے گرد گھومتی ہے۔

جو لوگ اسلام سے روحانی رہنمائی اور قوت پاتے ہیں وہ امریکی زندگی کے ہر شعبے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ ہیوسٹن راکٹس (باسکٹ بال کی ٹیم) کے سٹار حکیم اولاجوان سے لے کر ڈاکٹر لیلیٰ ماریاتی تک جاتا ہے جو بیجنگ میں عورتوں کی عالمی کانفرنس میں امریکی وفد کی سرگرم رکن تھیں۔ اسی زمرے میں کیپٹن عبدالرشید محمد بھی ہیں جو یو ایس آرمی میں پہلے چپلن ہیں اور جنہوں نے وائٹ ہاؤس کی عید پارٹی میں دعا کرائی۔

اسی زمرے میں مروا الخیرو جیسے بچے بھی آتے ہیں جو ایک گرل گائیڈ ہے، ڈاکٹر بننا چاہتی ہے اور جوڈی بلم اور مارک ٹوین کی کتابوں سے پیار کرتی ہے وہ، اس کے دو چھوٹے بھائی اور اس کے عراق میں پیدا ہونے والے والدین، وائٹ ہاؤس کی تقریب میں بہت سے دوسرے خاندانوں کے ساتھ موجود تھے۔

مروا ڈائس پر آئی، اس کا سر ہیٹ مائکروفون کی بلندی تک بمشکل پہنچا مگر اس نے نہایت زوردار انداز میں یہ یاد دلایا کہ وائٹ ہاؤس میں رمضان کا جشن سب امریکیوں کے لئے اتنا ہی اہم کیوں ہے جتنا کہ کمرے میں موجود لوگوں کے لئے۔ اس نے کہا۔ صرف امریکہ میں دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے لوگ یکجا ہو سکتے ہیں اور ایک کمیونٹی بن سکتے ہیں۔ اس نے مزید کہا۔ میں ایک امریکی ہونے پر فخر کرتی ہوں اور میں ایک امریکی مسلمان ہونے پر فخر کرتی ہوں۔ مروا کی زندگی کئی لحاظ سے چھٹی جماعت کے دوسرے امریکی بچوں سے مختلف نہیں لیکن اس کی باتیں سن کر میں نے سوچا کہ یہ بات ہمارے ملک کے لئے کس قدر امید افزاء ہے کہ بچے یہاں مروا کی طرح پروان چڑھ سکتے ہیں جنہیں نہ صرف امریکی طور طریقوں بلکہ اپنی ثقافتی اور مذہبی اقدار پر بھی عبور حاصل ہو گا۔

میں شکر گزار ہوں کہ میری اپنی بیٹی چیلسی کو ہائی سکول میں اسلامی تاریخ کے مطالعے کا موقع ملا جو میری نسل کے افراد کو میسر نہ تھا۔ چیلسی کو اس کورس سے جو غیر معمولی دلچسپی تھی اس کا ثبوت ہم دونوں کے جنوبی ایشیا (بھارت پاکستان بنگلہ دیش) کے سفر کے دوران ملا۔ ہم جو کچھ دیکھتے اور کرتے تھے وہ اس پر رواں تبصرہ کرتی چلی جاتی تھی۔

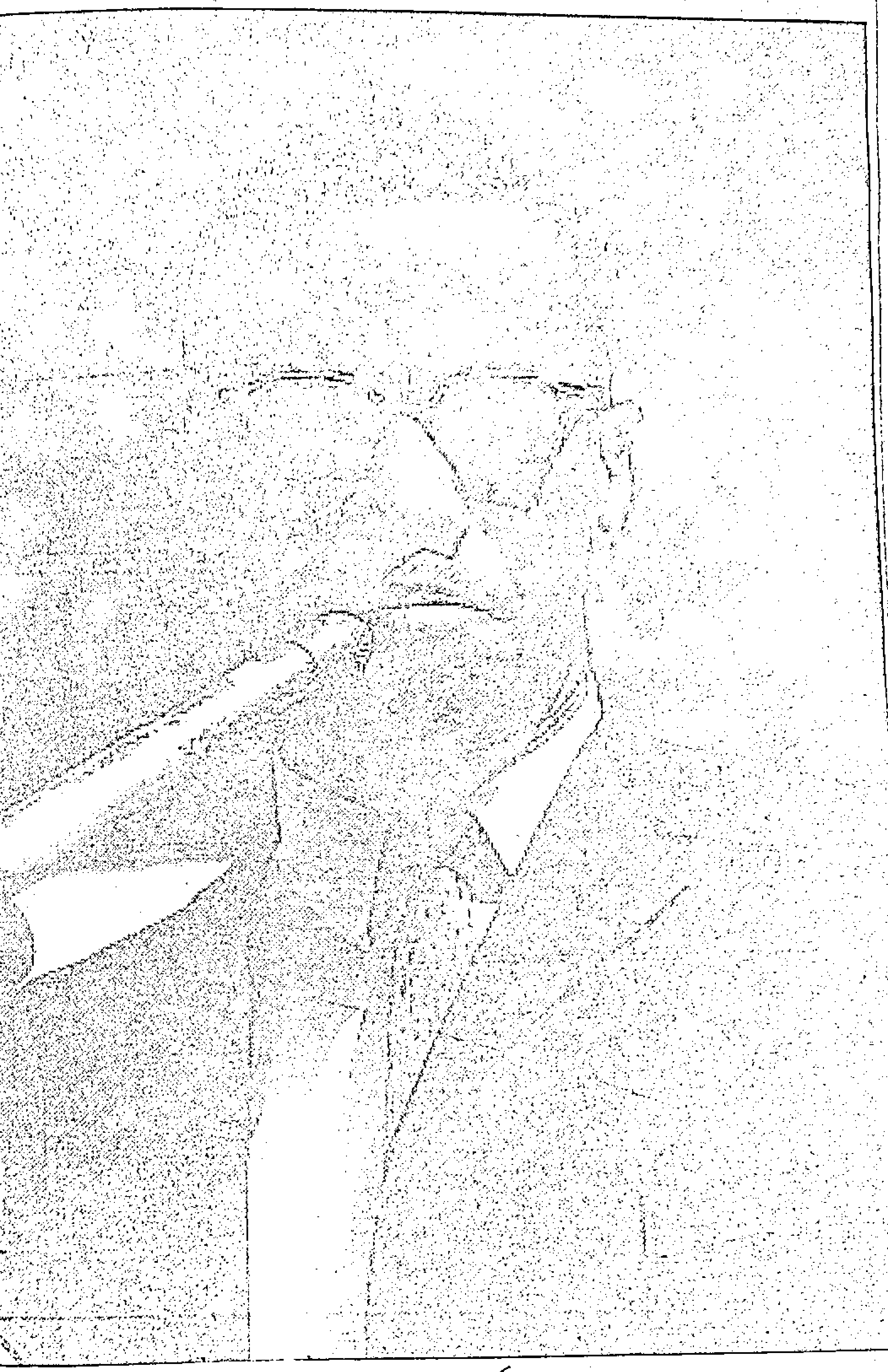
جن ثقافتوں نے ہمارے معاشرے کو متمول کیا ہے ان کے بارے میں جاننا امریکی ہونے کے

بارے میں ہماری تفہیم میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ آخر کار' ہم تارکین وطن اور متنوع مذہبی عقائد کی قوم ہیں۔

ماضی میں دوسرے عقائد کے بچوں کو وائٹ ہاؤس میں اپنے بڑے مذہبی تہوار منانے کا موقع ملا۔ کرسمس پارٹیاں اور عبرانی تہوار "ہانوکا" کے آغاز پر شمع دان روشن کرنے کی تقریبات منعقد ہوئیں اور ہزاروں بچے ایسٹر کے (رنگارنگ) انڈے تلاش کرنے کے لئے ہر سال وائٹ ہاؤس کے ساؤتھ لان میں آتے ہیں۔

اب میں امید کرتی ہوں کہ مروا اور دوسرے مسلمان' بچے محسوس کریں گے کہ ان کا دین بھی قصر صدارت میں ایک مقام رکھتا ہے"۔

مسز کا مقالہ پڑھ کر سکارزڈیل' نیویارک کی مسلم کمیونٹی کے لیڈر ڈاکٹر اعجاز قریشی کا یہ دعویٰ یاد آتا ہے کہ آئندہ دنیائے اسلام کی قیادت وہ امریکی بچے کریں گے جو آزاد پیدا ہوئے ہیں' جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے لیس ہو رہے ہیں اور جن پر فرقہ وارانہ عصبیتوں کا منحوس سایہ نہیں پڑا۔



.... میلکم ایکس (1963ء میں)

75. Prof. Mario Rozy

76. Islamic Sho'ara Council of North America & Ministry of Wareth Deen Muhammad

55. Muhammad Ali born Cassius Marcellus Clay Juniour in Louisville, Kentucky, January 17, 1942.

56. Suny Liston who Lost his world heavy weight title in 1965 to Muhammad Ali.

57. "Muhammad Ali : The Greatest of My own story"

58. "Mysterious External Cult"

59. Alexander Russell Webb

60. "Father , Son & The Holy Spirit"

61. Sacramento, California

62. Federation of Islamic Organizations of America & Canada

63. Muslim society of North America

64. Selma, Alabama

65. Pluralistic

66. Prolife

67. Pluralism

68. Steven Emerson : Jihad in America

69. Funeral Home

70. Back Sale

71. Meditation Halls

72. Fiancee

73. Professor Irving (Taleem Alı)

74. A Joseph Howar

37. Marcus Mosiah Garvey

38. The United Negro Improvement Association (UNIA)

39. The Negro (Wrold)

40. Fard, also Ford, Wallace Dod Ford, Willy Fard; prophet, messenger

41. C. Eric Lincoln, professor of religion, Duke University, Durham, North Caroline: *The Black Muslims in America*, Ph.D. thesis approved by Boston University.

42. Denek Majid (Mrs. Lawrence Adams)

43. Paul Cuffee

44. American Colonization Society

45. Mohammad Marmaduk Pickthall

46. Messiah, The Great Mahdi

47. "Malcom X" : Compiled by Alex Haley

48. Walice D. Muhammad

49. Louis Farrakhan (Gene Walcott)

50. Jessy Jackson

51 FBI : Federal Bureau of Investigations (The Federal Police)

52. Betty Shabazz

53. Black Legislator's Groups .

54. The Independent order of the B'nai B'reth founded in New York City in 1843 as the Sons of the Covenant

17. Malik Shabazz (malcolm Little) MALCOLM X
18. Association of Muslim Scientists and Engineers (C/O ISNA)
19. Association of Muslim Social Scientists (C/O ISNA)
20. International Institute of Islamic Thought, 555 Grove St.Herndon, Virginia, 22070
21. Yvonne Y. Haddad, professor of Islamic Studies, Hartford Seminary, Hartford, Connecticut
22. Ku Klux Klan
23. John F. Kennedy, president (1961-63)
24. U-S Agency for International Development (AID)
25. Harvard, Georgetown, Stanford, Temple, Princeton
26. Muslim Students Association (MSA)
27. Islamic Society of North America (ISNA)
28. Muslim Political Affairs Council (MPAC)
29. Islamic Circle of North America (ICNA)
30. Marcos de Niya
31. Hi Jolly
32. Cedar Rapids, Iowa
33. Ross, North Dakota
34. Adib Rashad (James Miller) : *The History of Islam and Black Nationalism in the Americas*
35. Black Muslim Movement (Nation of Islam)
36. Moorish Science Temple Movement (Nobel Ali)

INDEX

1. James Oglethorpe
2. Edward Wilmont Blyden: *Christianity, Islam and the Negro Race*
3. Muhammad Alexander Russle Webb, apostle, promulgator.
4. Nobel Ali (Timothy Drew), prophet
5. Maine, now a Northeastern U-S state
6. Connecticut, U-S state
7. Detriot, Michigan
8. Chicago, Illinois
9. Duse Mohammad Ali: The African and Orient Review
10. Lost-Found Nation of Islam in the Wilderness of the North America(1930): Later adopted these names: *The Nation of Islam (1931), The World Community of Islam in the West (1976), The American Muslim Mission (1980), The Ministry of Imam Warith D. Muhammad (Wallace D. Muhammad) (1985)*
11. Arab America Banner Society, Quincy, Massachusetts
12. Cedar Rapids, lowa
13. Muslim Sunrise
14. Sister Clara Muhammad
15. Muhammad Speaks
16. Elijah Muhammad (Elijah Poole)

Major Muslim Organizations

The Islamic Center. 2551 Massachusetts Avenue. NW. Washington DC 20008. Ph: (202)-332-8343.

Islamic Society of North America (ISNA). P.O. Box 38. Plainsfield, Indiana 46168. Ph: (317)-839-8157.

Muslim Students Association (MSA). P.O. Box 38, Plainsfield. Indiana 46168.

Islamic Circle of North America (ICNA), 166-26-89th Avenue, Jamaica, New York, 11432, Ph: (718)-658-119.

The American Muslim Council, 1212 New York Avenue, NW, Suite 400, Washington DC 20005, Ph: (202)-789-2262.

Muslim Public Affairs Council (MPAC) 2010 Wilshire Blvd. Ph: 217 Los Angeles, California, 90010, Ph: (213)-383-3443.

Ministry of Imam W. Deen Muhammad, 266 Madison. Calumet City, Illinois,60409, Ph: (708)-862-5228.

Shia Ishna-Asheri Islamic Jamat, Hussaini Mosque, 7929 Serapis St. P.B. 34309, Pico Rivera, California, 90660, Ph: (310)-942-7442.

Ahmadiyya Movement in Islam, Masjid Baitur Rehman,15000 Good Hope Road, Silver Spring, Maryland, 20905, Ph: (301)-879-0110.

Ministry of Honorable Louis Farrakhan,7351 South Stoney Island Chicago, Illinois, 60649,Ph: (312)-602-1230.

Council on Islamic- American Relations, 1511 K, Street NW Washington DC 2005, Ph: (202)-638-6340.

MUSTAFA SON OF LOUIS FARRAKHAN OPENED HIS REMARKS AT *THE MILLION MAN MARCH* WITH THESE WORDS:

> *" IN THE NAME OF ALLAH, THE BENEFICIENT, THE MERCIFUL. I BEAR WITNESS THAT THERE IS NO GOD BUT ALLAH WHO CAME IN THE PERSON OF MASTER FARD MUHAMMAD. AND I BEAR WITNESS THAT THE HONORABLE ELIJAH MUHAMMAD IS HIS TRUE SERVANT AND I FURTHER BEAR WITNESS THAT MINI STER LOUIS FARRAKHAN IS HIS DIVINE REMINDER IN OUR MIDST."*

MUSTAFA FARRAKHAN IS THE CHIEF OF "THE FRUIT OF ISLAM-, THE UNIFORMED YOUTH WING OF THE NATION OF ISLAM

KASHMIRI-
AMERICAN
COUNCIL

5 May 1995

Preface

It is a matter of great satisfaction to see that eminent and experienced journalist Mr. Akmal Aleemi has written a timely book on *Islam in America*. His research work takes a serious note that by the year 2020, Muslims are destined to become the second largest religious community in the United States.

Certainly, Mr. Aleemi's book is the need of the hour because the American Muslim community is not only growing and thriving, but more increasingly becoming active in public life and national affairs.

Mr. Aleemi's *Islam in America* is compendium of his observations about the growth and development of Islam in America. He has covered broader areas like the emergence of Elijah Muhammad Nation of Islam, and this community's centripetal progression to mainstream Islam under his son, W.D. Muhammad.

Islam in America gives a commanding view of the growth of Islam in the past three plus decades, an era which started with the emergence of the Muslim Students Association of the US and Canada (NSA). He traces NSA's transformation into the Islamic Society of North America (ISNA) and the professional and community organizations it sprouted, such as the North American Islamic Trust (NAIT), the Association of Muslim Social scientists (ANSS) and the Islamic Medical Association (IMA).

Mr. Aleemi, who has lived in the United states for over twenty years, writes from personal observation. He describes how the Muslim community has spread its roots where Islamic cantors and mosques are rising in nearly every major city. In effect, Mr. Aleemi has seem the community evolving and heading toward the future, and this close observation is reflected in his work, *Islam in America*.

Works like Mr. Aleemi's *Islam in America* are destined to make a contribution to the emerging literature about Islam in America.

733 Fifteenth Street, N.W.
Suite 1100
Washington, DC, 20005
Tel: (202) 628-6789 / (703) 938-0702
Fax: (202) 393-0062 / (703) 938-0733
e-mail kac@interserv.com

Dr. Ghulam Nabi Fai
Executive Director
Kashmiri American Council